ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

10 ربیع الاول 1440ھ —— نومبر 2018ء

- نیرنگیٔ سیاستِ دوراں
- 41ویں دوروزہ سالانہ ختم نبوت کانفرنس
- سیّدہ اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا.....رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اَنّا
- یومِ فتحِ قادیان (21/اکتوبر 1934ء)
- تحریکِ مدحِ صحابہؓ.....نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم کی تائیدی تقریر
- ایک احمدی کو کیا کرنا چاہیے؟ خطبہ الہامیہ بطور مثال

اعلان

ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان، تیس برس سے (1988-2018) الحمدللہ باقاعدگی سے شائع ہورہا ہے اور اپنے قارئین کو عقائد اہل سنت والجماعت، سیرت وتاریخ، حالات حاضرہ، تاریخ احرار پر علمی مضامین بالخصوص محاسبۂ قادیانیت، دہریت و لادینیت کے حوالے سے فکر انگریز تحاریر پیش کررہا ہے۔ گزشتہ کئی برس سے مہنگائی کے باوجود ادارہ نے رسالے کی قیمت میں اضافہ نہیں کیا اور خود پر اس بوجھ کو برداشت کررہا ہے لیکن اب کاغذ، طباعت اور ڈاک کے اخراجات میں روز افزوں اضافے سے ادارہ کو نقصان ہورہا ہے جسکا ادارہ متحمل نہیں لہٰذا جنوری 2019ء سے ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کی قیمت فی شمارہ 30 روپے اور زرسالانہ 300 روپے ہوگا۔ امید ہے احباب وقارئین پہلے کی طرح تعاون جاری رکھیں گے۔

منجانب: سرکولیشن منیجر

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ

بانی ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد29 شمارہ 11 نومبر 2018/ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ

Regd.M.NO.32

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رُفقائے فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید عطاء المنان بخاری

atabulbukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد

0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ——— -/200 روپے

بیرون ملک ——— /4000 روپے

فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

تشکیل

اداریہ:	نیرنگیٔ سیاستِ دوراں	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرات:	41ویں دوروزہ سالانہ ختم نبوت کانفرنس (11-12 ربیع الاوّل چناب نگر)	عبداللطیف خالد چیمہ	4
//	قانون تحفظ ناموس رسالت کی تازہ ترین صورتحال!		
سرکلر:	بنام ماتحت مجالس احرار اسلام پاکستان	عبداللطیف خالد چیمہ	6
دین ودانش:	سیّدہ اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا..... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اَنّا (قسط:۱)	مولانا ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی	9
تاریخ:	یوم فتح قادیان (21/اکتوبر 1934ء)	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	22
تاریخ احرار:	احرار اور تحریک کیرو تھلا (۱۹۳۳ء) آخری قسط	ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہ اللہ	25
//	تحریکِ مدحِ صحابہؓ..... خطاب: شہید ملت نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم کی تائیدی تقریر		34
آپ بیتی:	میرا افسانہ (قسط:۲)	مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	37
گوشہ خاص امام اہل سنت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری و سید محمد ذاکفل بخاری رحمہما اللہ	سراپائے نبوت	مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ	46
	کلُّ من علیھا فانٍ	حکیم حافظ ارشاد احمد رحمہ اللہ	48
	وشتِ وفا کا راہی	حبیب الرحمٰن بٹالوی	51
	استاد جی	حبیب الرحمٰن بٹالوی	52
مطالعۂ قادیانیت:	ایک احمدی کو کیا کرنا چاہیے؟ خطبہ الہامیہ بطور مثال	تحریر: مکرمہ مجی ترجمہ: صبیح ہمدانی	53
//	لمز یونیورسٹی میں قادیانیت نے پنجے گاڑنے شروع کر دیے	عفت علی رحمانی	59
ترجیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	61

رابطہ

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

شعبۂ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوۃ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نوپرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں

سید محمد کفیل بخاری

پی ٹی آئی حکومت قائم ہوئے ابھی دو ماہ ہوئے ہیں لیکن جس تبدیلی کا نعرہ لگا کر اور عوام کو سبز باغ کا چکمہ دے کر موجودہ سیاسی اشرافیہ اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہوئی ہے بہت ہی تھوڑے وقت میں اس کی الٹی گنتی شروع ہوگئی ہے۔ وزیراعظم عمران خان نے اپنے تاریخی دھرنے اور پھر جولائی 2018ء کے انتخابات میں یہ بات مسلسل دہرائی کہ:

''ہم اقتدار میں آ کر لٹیروں سے لوٹی ہوئی دولت واپس لیں گے، ملک کی معیشت کو مضبوط و مستحکم کریں گے اور آئی ایم ایف سے قرضے نہیں لیں گے، سابق حکمرانوں نے ملک کو قرضوں میں جکڑ کر عالمی سرمایہ داروں کے ہاں گروی رکھ دیا ہے، ہمارے ملک کے اپنے اتنے وسائل ہیں کہ ہمیں قرضوں کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، ہم اپنے وسائل کو استعمال کر کے ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر دیں گے اور ''نیا پاکستان'' ہوگا''

لیکن دو ماہی حکومت کے نئے پاکستان کا منظر انتہائی بھیانک اور مایوس کن ہے- اب نئے پاکستان کے نئے وزیراعظم فرما رہے ہیں کہ:

''ملک بدترین معاشی بحران سے دوچار ہے، زرمبادلہ کے ذخائر ختم اور خزانہ خالی ہے، ملک دو مہینے بھی نہیں چل سکتا۔ ہم آئی ایم ایف اور دوست ممالک سے قرضے لیں گے، سابقہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے ہمیں مزید قرضوں کی ضرورت ہے اور یہ ہماری مجبوری ہے۔ آنے والے 3 سے 6 ماہ پاکستان کے لیے بہت سخت ہیں''

وزیراعظم عمران خان جو الزامات سابق حکومتوں کو دیتے رہے اب خود انہی پر عمل پیرا ہیں، کہاں گئی وہ تبدیلی جس کو عنوان بنا کر اور جس کے نعرے لگا کر وہ تختِ اقتدار پر فروکش ہوئے ہیں۔ انہوں نے تو سو دن میں سب کچھ بدلنے کا وعدہ و اعلان کیا تھا اور دو ماہ میں ہی ان کی بس ہوگئی ہے۔ انہوں نے ایک ماہ میں سعودی عرب کے دو مرتبہ دورے کیے اور بالآخر 6 ارب ڈالر کا ''بھیک پیکج'' لینے میں کامیاب ہو گئے۔ 3 ارب ڈالر نقد اور 3 ارب ڈالر کا ادھار تیل۔ ابھی ملائشیا اور چین کے دورے بھی ہونے ہیں، دیکھتے ہیں وہاں سے کیا خیرات ملتی ہے۔ سی پیک کے حوالے سے پاکستان پہلے ہی چین کا مقروض ہے، چینی سفیر کے مطابق یہ آئندہ 3 سال بعد پاکستان نے ادا کرنا ہے۔ خان صاحب آئی ایم ایف سے بھی قرضہ لیں گے اور وہ اپنی شرائط پر ہی دے گا، جو ہمیشہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت اور ملکی خودمختاری کے خاتمے پر ہی مشتمل ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں یہ کونسی معاشی و اقتصادی تھیوری اور حکمت عملی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر عمران خان نیا پاکستان یعنی دو منزلہ پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

پی ٹی آئی حکومت نے دو مہینوں میں جتنے غلط فیصلے کیے اور جتنے یوٹرن لیے وہ تاریخی ریکارڈ اور نااہلی و ناپختگی کی بدترین مثال ہے۔ قرضوں کی مخالفت کی، اب کشکول لیے ملکوں ملکوں پھر رہے ہیں۔ آئی ایم ایف سے ملک کو نجات دلانے کا اعلان کیا، اب اسی سے بھیک مانگ رہے ہیں۔ الیکٹیبلز کو لوٹے اور ڈاکو کہا، لیکن سابق آمر پرویز مشرف دور کے سارے لوٹے اور باقیات سیئات اپنی کابینہ میں شامل کر لیے۔ مہنگائی کو ختم کرنے کا وعدہ کیا، لیکن بجلی و گیس اور خورونوش کی بنیادی عوامی ضرورتوں کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافے سے غریب عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ ادھر وزیر خزانہ اسد عمر فرماتے ہیں کہ آئندہ تین سال تک ہمیں مہنگائی کی چکی میں پسنا ہوگا۔

ان حالات کے پیش نظر پی ٹی آئی کمپنی کی حکومت زیادہ دیر چلتی نظر نہیں آتی۔

سابق صدر آصف علی زرداری کا کہنا ہے کہ:

''پی ٹی آئی ملک نہیں چلا سکتی، تمام جماعتیں حکومت کے خلاف قرارداد لائیں''

مولانا فضل الرحمٰن روز اول سے اپوزیشن جماعتوں کو متحد و منظم کرنے کی جد و جہد کر رہے ہیں اور اس وقت حکومت کے سخت ترین مخالف ہیں، ان کی کوششیں بارآور ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ آصف زرداری، مولانا کے در دولت پر حاضر ہوئے، سابق وزراء اعظم یوسف رضا گیلانی اور نواز شریف احتساب عدالت میں پیشی پر اکٹھے ہوئے اور اب مولانا فضل الرحمٰن نے 31 اکتوبر کو اے پی سی بلانے کا اعلان کر دیا ہے، اپوزیشن کے عزائم اور تیور موجودہ حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد کی چغلی کھا رہے ہیں۔ منظر کچھ ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ:

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے ''حکومت'' تماش بینوں میں

وزیر اعظم عمران خان اگر پی ٹی آئی کمپنی حکومت چلانا چاہتے ہیں تو انہیں لڑائی کے محاذ کم کرنے ہوں گے، وہ بیک وقت سیاسی و مذہبی محاذوں پر حملہ آور ہیں۔ پہلے قادیانی عاطف میاں کو اقتصادی کونسل میں شامل کیا پھر شدید عوامی رد عمل پر برطرف کیا۔ سینیٹ میں قانون توہین رسالت پر حملہ کی کوشش کی گئی جس پر جے یو آئی کے سیکریٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری نے شدید احتجاج کیا اور حکومت کو بیک فٹ پر آنا پڑا۔ اب لمز یونیورسٹی کے طلبا کو چناب نگر کے قادیانی اداروں کا دورہ کرایا گیا اور رواداری کے نام پر مسلمان طلبا کو بے غیرتی کا سبق پڑھایا گیا ہے۔ دینی مدارس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے، دینی جماعتوں اور رہنماؤں کے راستے مسدود کیے جا رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر اقدامات کے آغاز کی ذمہ داری مسلم لیگ ن کی سابق حکومت پر بھی عائد ہوتی ہے۔ یہ دورِ سابق کے وہ سیاہ کارہائے بد ہیں جو استعماری اور طاغوتی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے انہوں نے کیے لیکن عمران خان کو ان کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے، ان کے انجام بد کو سامنے رکھیں اور اپنے انجام خیر کی فکر کریں۔

فاعتبروا یآ اولی الابصار!.....رہے نام اللہ کا

41ویں دوروزہ سالانہ ختم نبوت کانفرنس (11-12 ربیع الاوّل چناب نگر)

عبداللطیف خالد چیمہ

اکابر احرار ہندوستان میں 21۔اکتوبر 1934ء کو قادیانی مرکز ''قادیان'' ضلع گورداسپور میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، پاکستان بن جانے کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں نے ربوہ میں داخلے کا سوچا، لیکن اللہ تعالیٰ کو اس طرح منظور تھا کہ 1975ء میں ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ ربوہ میں ڈگری کالج کے قریب قطعہ زمین حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جہاں جامع مسجد احرار کا سنگ بنیاد 27۔فروری 1976ء کو رکھا گیا اور نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ وہ منظر واقعی دیدنی تھا اور اُس کی یادیں کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں، اس مرکز احرار میں حسب سابق امسال بھی 11-12 ربیع الاوّل 1440ھ کو سالانہ ختم نبوت کانفرنس ہوگی جس میں ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام، زُعماء عظام خطاب کریں گے، اس ملک گیر اجتماع کے اختتام پر ہر سال دعوتی جلوس بھی نکالا جاتا ہے جو اس مرتبہ بھی اکابر احرار کی قیادت میں نکلے گا اور پھر قادیانیوں کو دعوت اسلام کا فریضہ دہرایا جائے گا، اس مقصد کے لیے احرار کی ماتحت تنظیموں کو قبل ازیں سرکلر کے ذریعے اطلاع ارسال کی جا چکی ہے، جملہ ماتحت اور برادر تنظیموں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی تیاریاں منظّم انداز میں تیز کردیں اور ختم نبوت کانفرنس کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لیے مرکز کی طرف سے ہدایات پر عمل پیرا ہوں۔

قانون تحفظ ناموس رسالت کی تازہ ترین صورتحال!

قانون تحفظ ناموس رسالت مسلسل تختۂ مشق بنا ہوا ہے، اصل مسئلہ عالم کفر کا ہے جو ہر حال میں اس قانون کو ختم کرانا چاہتا ہے، بین الاقوامی این جی اوز شطرنج کا کھیل کھیلتی رہی ہیں اور ہمارے حکمران بمع سیاستدان ''پتلی تماشا'' بنے ہوئے ہیں، ایسا کئی دہائیوں سے مسلسل ہو رہا ہے اور ہمیں تو ہر حال میں پہرہ دینا ہے، چوکیداری کا کردار نبھانا ہے تازہ صورت حال نسبتاً اُمید افزاء ہے مگر چوکنے رہنے کی ضرورت ہے، درج ذیل خبر پڑھ کر قدرے اطمینان ہوا، اللہ خیر کرے، حکمران 295۔سی کو کبھی نہ چھیڑ پائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ خبر روزنامہ ''امت'' کے راولپنڈی ایڈیشن میں 13 اکتوبر 2018ء کو شائع ہوئی۔

''اسلام آباد (اسد اللہ ہاشمی) گستاخانہ مواد کی روک تھام کیلئے حکومت کی جانب سے سینٹ کمیٹی میں پیش کیا جانے والا بل واپس لے لیا گیا۔ قائد ایوان شبلی فراز نے سینٹ سیکرٹریٹ میں درخواست جمع کرادی جس میں کہا گیا ہے کہ بل سابقہ حکومت کا تھا، اس کی موجودہ کابینہ سے منظوری ضروری ہے، مولانا سمیع الحق سے بات چیت کرتے ہوئے وزیراعظم عمران خان نے کہا کہ ناموس رسالت قانون میں تبدیلی کا سوچ بھی نہیں سکتے، مدارس کو یونیورسٹیوں کے برابر لانا چاہتے ہیں جبکہ وزیراعظم نے افغان مہاجرین اور بنگالیوں کو پاکستانی شہریت دینے کے لیے پارلیمنٹ کی کمیٹی بنانے کا حکم دیا ہے۔

تفصیلات کے مطابق گستاخانہ مواد کی روک تھام اور الیکٹرانک کرائم کے تدارک کا ترمیمی بل 19 ستمبر کو ایوان

بالا کی کمیٹی میں پیش کیا تھا جسے واپس لینے کے لیے سینیٹ سیکرٹریٹ کو درخواست دے دی گئی ہے۔ سینٹ میں قائد ایوان شبلی فراز نے درخواست میں موقف اختیار کیا ہے کہ یہ بل پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی منظوری 29 مئی 2018 کو اس وقت کے وزیراعظم شاہد خاقان عباسی کی کابینہ نے دی تھی۔ بل کا مسودہ سابق وفاقی وزیر انفارمیشن ٹیکنالوجی انوشہ رحمان نے وفاقی کابینہ میں پیش کیا تھا۔ اس بل میں یہ شق شامل ہے کہ توہین رسالت کا الزام جھوٹا ثابت ہونے پر مدعی کو بھی سزائے موت دی جائے گی۔ کابینہ کی منظوری کے بعد یہ بل ایوان بالا کو بھیج دیا گیا جو کہ 19 ستمبر 2018 کو سینیٹ میں پیش کیا گیا اور متعلقہ کمیٹی کو بھیج دیا گیا۔ قائد ایوان نے اس حوالے سے اپنی درخواست میں کہا ہے کہ اس بل کو پیش کرنے کی منظوری گزشتہ حکومتی کابینہ سے حاصل کی گئی تھی اور قانونی طور پر ایوان میں بل پیش کرنے کیلئے موجودہ حکومتی کابینہ کی منظوری ضروری تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس بل سے کسی طور پر بھی تحریک انصاف کی حکومت کا کوئی تعلق اور سروکار نہیں، اس لیے بل واپس لینے کے لیے باقاعدہ سینیٹ سیکرٹریٹ میں درخواست دے دی گئی ہے۔

دریں اثنا جمعیت علمائے اسلام (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے کہا ہے کہ سینٹ میں توہین رسالت ایکٹ کا مسئلہ اٹھانے کو عمران خان نے کسی کی شرارت قرار دیا ہے، ان کا کہنا تھا کہ ناموس رسالت قانون میں ترمیم کا سوچ بھی نہیں سکتے، کابینہ سمیت کسی بھی فورم پر یہ مسئلہ زیر بحث نہیں آیا۔ ان کا کہنا تھا کہ وزیراعظم عمران خان نے اسے واپس لینے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ جمعہ کو وزیراعظم عمران خان اور مولانا سمیع الحق کی اسلام آباد میں ملاقات ہوئی جس مولانا سمیع الحق نے وزیر اعظم کو قادیانیوں کے ملک دشمنی پر مبنی سامراجی سازشوں اور مغربی قوتوں کی مذکورہ دونوں آئینی ترامیم کو ختم کرنے میں درپردہ مسلسل کوششوں سے آگاہ کیا اور پارلیمنٹ میں پیش کیے جانے والے بل کی تفصیلات پیش کیں۔ دینی مدارس کے حوالے سے پھیلائی گئی خبروں کے بارے میں وزیراعظم نے مولانا کو یقین دلایا کہ ہم دینی مدارس کے مسائل سے آگاہ ہیں اور ایسے کسی اقدام کا سوچ بھی نہیں سکتے جس سے مدارس پر کوئی قدغن لگ سکتی ہو۔ مولانا سمیع الحق نے مدارس کی تنظیمات کے ساتھ ملاقات میں پیش کردہ تجاویز پر جلدی عملدرآمد ہونے کا مشورہ دیا، وزیراعظم نے کہا کہ میں روزِ اوّل سے مدارس کی اہمیت سمجھتے ہوئے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور انہیں دین کے اہم مراکز سمجھتا ہوں، اور انہیں یونیورسٹیوں اور کالجز کے برابر مقام دینا چاہتا ہوں۔ ملاقات میں سپیکر قومی اسمبلی اسد قیصر اور سیاسی امور کے مشیر جناب نعیم الحق بھی موجود تھے۔

علاوہ ازیں مولانا سمیع الحق نے دعوی کیا کہ وزیراعظم نے افغان مہاجرین اور بنگالیوں کو پاکستانی شہریت دینے کے لیے پارلیمنٹ کی کمیٹی بنانے کا حکم دے دیا ہے۔ وزیراعظم سے گفتگو میں پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین اور بنگالیوں کو شہریت دینے کے اعلان کو جلد عملی جامہ پہنانے کا مشورہ دیا جس میں انہیں اس اقدام کے سیاسی اقتصادی اور دفاعی فوائد سے آگاہ کیا گیا اور پاک افغان بارڈر پر مہاجرین کی آمدورفت سے ہر ماہ ویزے کی تجدید اور دیگر مشکلات کا ذکر کیا گیا۔ مولانا سمیع الحق کی تجویز پر وزیراعظم نے سپیکر قومی اسمبلی اسد قیصر کو کمیٹی بنا کر اس مسئلے کو حل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وزیراعظم نے افغانستان میں قیام امن کی ضرورت اور اہمیت کے بارے میں مولانا سمیع الحق کی کوششوں کو سراہتے ہوئے جدوجہد کو مزید تیز کرنے کی خواہش بھی ظاہر کی۔'' **(روزنامہ ''اُمت'' راولپنڈی، 13۔ اکتوبر 2018ء)**

مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ایوانِ احرار: C/69 نیو مسلم ٹاؤن، وحدت روڈ لاہور

مرکزی سرکلر بنام ماتحت مجالس
2018/5

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.....مزاج گرامی!

آپ کے علم میں ہے کہ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے زیر اہتمام اِن شاء اللہ تعالیٰ 12,11/ ربیع الاوّل 1440ھ جامع مسجد احرار چناب نگر میں سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی منعقد ہو رہی ہے۔ اس کانفرنس کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لیے درج ذیل امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے تیاریاں تیز کر دیں۔

☆ کانفرنس کے اشتہارات شائع ہو چکے ہیں، تمام ماتحت مجالس احرار اور دیگر حضرات مرکزی دفتر دارِ بنی ہاشم ملتان اس نمبر (0300-9522878) پر رابطہ فرما کر اشتہارات حاصل کریں

☆ کانفرنس میں شرکت کے لیے اپنے جماعتی وغیر جماعتی ماحول میں محنت کریں اور انفرادی واجتماعی شرکت کو یقینی بنائیں نیز کانفرنس اور قافلے کی روانگی کے حوالے سے اخبارات کے مقامی نمائندگان کے ذریعے خبریں بھجوانے کا اہتمام ضرور کریں اور کم از کم روزنامہ اسلام کے علاقائی ایڈیشن میں مقامی جماعت کی جانب سے کانفرنس کی تشہیر کے لیے اشتہار شائع کروائیں

☆ ہر مقامی جماعت کے ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ نظم وضبط کا ماحول پیدا کریں۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والے ساتھیوں کی تربیت کریں اور ایک نیک مقصد کے لیے سفر کے آداب کو ہر حال میں ملحوظ رکھیں اور دوران سفر کلمہ طیبہ اور درود پاک کا ورد جاری رکھیں

☆ پنڈال میں داخل ہونے سے پہلے قافلے کے امیر استقبالیہ کیمپ میں اپنے ساتھیوں کی تعداد کا اندراج کروائیں

☆ دوران اجتماع مسجد میں حاضری کو یقینی بنائیں، چناب نگر میں بلاضرورت نہ گھومیں پھریں اور نہ ہی قادیانیوں سے بحث کریں

☆ ہر شاخ یا شرکت کرنے والے ساتھی اپنی تعداد کی مناسبت سے پانچ سے دس جماعتی پرچم بمع ڈنڈے ساتھ لائیں اور ممکن حد تک تمام ساتھی سرخ قمیص میں ملبوس ہوں، بہتر یہ ہے کہ مقامی جماعت کے ذمہ داران ساتھیوں کی آسانی کے لیے سرخ کپڑا خرید کر کارکنان کو اطلاع کریں اور وہ ان سے خرید لیں تاکہ زیادہ سے زیادہ احباب باوردی ہوں

☆ کانفرنس کی مناسبت سے جن شاخوں کے پاس بینرز موجود ہوں وہ ہمراہ لائیں ممکن ہو تو نئے بینرز / پینا فلیکس بنوانے

کا اہتمام کریں

☆ روانگی سے قبل اپنی سواری پر جھنڈا اور بینر آویزاں کریں جس کی عبارت ''احرار ختم نبوت کانفرنس چناب نگر'' ہو اور تمام ساتھی / قافلے سفر کے دورانیے کا اندازہ کر کے ایسے وقت سفر شروع فرمائیں کہ آپ زیادہ سے زیادہ 11 ربیع الاول کی صبح تک اور تاخیر سے آنے والے قافلے 12 ربیع الاول کو نماز فجر تک مرکز احرار چناب نگر پہنچ جائیں اس سے زیادہ تاخیر مناسب نہیں

☆ جن شاخوں کو انتظامات اور خدمت کے لیے کارکن مہیا کرنے کا کہا گیا ہے ان سے درخواست ہے کہ متعینہ کارکنوں کی تربیت کریں اور یہ ساتھی 10 ربیع الاول کو نماز ظہر تک لازماً چناب نگر پہنچ کر ڈاکٹر محمد آصف (0300-9522878) کو رپورٹ کریں

☆ موسم کے مطابق بستر ہمراہ رکھیں اور کھانے پینے کی چھوٹی موٹی اشیاء مثلاً پانی کی بوتل، چنے، بسکٹ وغیرہ اگر ساتھ رکھیں تو سہولت رہے گی۔ اجتماع کے دوران وقفہ بیانات میں، سٹالز سے اپنی ضروریات کی اشیاء خریدیں

☆ جلسے اور جلوس کے دوران اپنے اردگرد مشکوک افراد پر نظر رکھیں

☆ اپنے قافلے کا امیر مشاورت سے مقرر کریں اور اطاعتِ امیر کو شعار بنائیں

☆ 12 ربیع الاوّل کو جلوس کے موقع پر دی جانے والی ہدایات پر مکمل عمل پیرا ہوں دورانِ جلوس نظم وضبط قائم رکھیں ہُلڑ بازی اور منفی نعرے بازی سے مکمل پرہیز کریں، دوران جلوس جماعت کی طرف سے پرنٹ کیے ہوئے نعرے متعین افراد ہی لگائیں گے دیگر حضرات صرف نظم کی پابندی کریں

☆ 8 ستمبر 2018ء کو ایوان احرار لاہور میں کانفرنس سے متعلق جو اجلاس ہوا اس میں کانفرنس کے انتظامات کے لیے قاری ضیاء اللہ ہاشمی (امیر مجلس احرار اسلام ناگڑیاں) کو ناظم اجتماع مقرر کیا گیا جبکہ مولانا محمد مغیرہ، مولانا تنویر الحسن، مولانا محمد اکمل، سید عطاء المنان بخاری، ڈاکٹر محمد آصف، مولانا محمود الحسن، شاکر خان خاکوانی کو معاونین مقرر کیا گیا ہے۔

☆ چناب نگر مرکز میں اجتماع کے موقع پر جگہ کم پڑ جاتی ہے جس کی وجہ سے ہم آنے والے مہمانوں اور مقررین کا خاطر خواہ اکرام نہیں کر پاتے اس بات کو محسوس نہ کریں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مزید وسیع جگہ عطاء فرمائیں (آمین) تاکہ سارے نظام میں آسانی رہے، جماعتی وغیر جماعتی احباب کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی توجہ غیر ضروری ملاقاتوں کی بجائے اجتماع پر مرکوز رکھیں اور کام میں بے حد مشغول ذمہ داران کو الجھن میں نہ ڈالیں اِس سے نظم بھی خراب ہوتا ہے اور کام کا حرج بھی

☆ چناب نگر انتظامیہ ہمارے ساتھ تعاون کرتی ہے ان کے ساتھ کسی قسم کی بدتمیزی ہرگز نہ کریں۔ اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ چناب نگر میں ہمارے جلوس کے علاوہ کئی اور جلوس بھی نکلتے ہیں جو صبح 9 بجے شروع ہو جاتے ہیں اور پولیس لاری اڈا پر

ہمارے قافلوں کو متبادل راستہ اختیار کرنے کا کہتی ہے ایسی صورتحال میں لاری اڈا چناب نگر پر موجود ہمارے استقبالیہ کیمپ (0345-0370086) سے رہنمائی حاصل کریں اور اپنی مرضی سے کوئی راستہ اختیار نہ کریں۔

☆ کانفرنس کے موقع پر کانفرنس کے اخراجات / ختم نبوت فنڈ / چناب نگر / مرکزی بیت المال / نقیبِ ختمِ نبوت یا کسی بھی دوسری مد میں فنڈز کے لیے جگہ اور افراد متعین ہوں گے اس کام کے لیے متعلقہ جگہ پر ہی رقوم جمع کروائیں

☆ کھانے کے لیے وسیع پنڈال کا انتظام ہوگا براہ کرم صبر و تحمل اور ترتیب کے ساتھ کھانے کے پنڈال میں تشریف لے جائیں۔ معمر افراد کو مقررہ راستہ سے لے کر جائیں۔ کھانے کے لیے 20 روپے فی کس کا ٹوکن جاری کیا جائے گا قافلے کے امیر اپنی تعداد کے حساب سے اور انفرادی طور پر شرکاء بھی ٹوکن ''استقبالیہ کیمپ'' سے حاصل کریں۔

☆ ہر ماتحت شاخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر کے اخراجات کی مد میں مرکز کی طرف سے دیے گئے ٹارگٹ کے مطابق اپنے حصے کی رقم موقع پر جمع کرائے یا مرکز کو بھجوائے۔

☆ پارکنگ کے لیے جو جگہ مختص ہو اس کو استعمال میں لائیں اور متعلقہ انتظامیہ کی ہدایات پر سختی سے عمل فرمائیں

امید ہے آپ ہماری گزارشات کو ہر حال میں مقدم و ملحوظ رکھیں گے۔ شکریہ والسلام

ملتمس: عبداللطیف خالد چیمہ
ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان
موبائل نمبر: 0300-6939453

پروگرام انشاء اللہ تعالیٰ:

11 ربیع الاول: ☆ پہلی نشست، تربیتی نشست برائے کارکنان احرار بعد نماز ظہر
☆ دوسری نشست، بیانات علماء کرام بعد نماز مغرب

12 ربیع الاول: ☆ تیسری نشست، درس قرآن کریم بعد نماز فجر
☆ چوتھی نشست، تقریب پرچم کشائی 9 بجے صبح
☆ پانچویں نشست، بیانات علماء کرام 11 تا 1 بجے دوپہر
☆ جلوس دعوت اسلام، ظہر تا عصر (جامع مسجد احرار تا اڈا چناب نگر)

رابطہ: ڈاکٹر محمد آصف موبائل: 0300-9522878

سیّدہ اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا.....رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اَنّا (قسط:۱)

مولانا ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

ہمارے حضور جناب محمد بن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاحیات خدمت کی سعادت حاصل کرنے والوں میں حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کا نامِ نامی بھی شامل ہے۔ مصادرِ سیرت وتذکرہ میں ان کے بارے میں کافی مواد ملتا ہے۔ ابھی تک ان کی عظیم شخصیت، خاندانِ رسالت سے ان کے گہرے تعلق اور خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں کوئی مستقل مقالہ نظر سے نہیں گزرا۔ اس میں سراسر کوتاہیٔ نظر خاکسار راقم کی ہے، البتہ کتب سیرت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حوالے سے ان کا جو تذکرہ ضمنی طور سے آجاتا ہے، وہ ان کی شخصیتِ عالی اور خدماتِ جلیلہ کا ذرا بھی حق ادا نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ توفیقِ الٰہی ارزانی ہوئی کہ ان کے تذکرۂ خیر سے اپنی بصیرت اور دوسروں کی سعادت کا سامان کیا جائے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگارش کا المیہ یہ رہا ہے.....اور اس کا ذکر بار بار کرنا پڑتا ہے.....کہ ایک دو کتابوں سے مواد لے کر ایک نئی کتابِ سیرت لکھ دی جاتی ہے اور وہ بھی پامال، فرسودہ اور غیر مستند طریقے سے۔ جدید دور میں مصادر کی دستیابی سے زیادہ تجزیے وتحلیل کے طریق ومنہاج کا ہر طرف دور دورہ اور شعور ہے، اگر نہیں ہے تو ہم روایتی پیروانِ اسلام میں، حال آں کہ اب سیرتِ طیبہ کی خدمت کا میدان وسیع تر وعظیم تر ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات اور کارناموں کا تقاضا ہے کہ ان کو تجزیے وتحلیل کے طریقے سے پیش کیا جائے۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سیرتِ طیبہ کی سنہری زنجیر کی ایک خوبصورت، جمال آفرین، عقیدت فزا، محبت آرا اور عظیم کڑی ہیں، ان کے ذکرِ خیر اور تذکرۂ جمیل سے سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک نیا باب سامنے آئے گا۔

نام ونسب:

روایات کا تقریباً اتفاق ہے کہ حضرت امّ ایمن کا اصل نام برکۃ تھا، ابن سعد نے ان کے تذکرے کا عنوان ہی یہی قائم کیا ہے:

ام ایمن و اسمها برکة (۱)

بہ قول ابن عبدالبر ان کے نام پر ان کی کنیت غالب آگئی جو ان کے فرزند اوّل کے نام پر تھی:

غلبت علیها کنیتها ، کنیت بابنها ایمن (۲)

ابن عبدالبر نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: **برکة بنت ثعلبة بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمة بن عمر و بن النعمان ، وهی أم أیمن**

ابن عبدالبر نے ایک لقب بھی ان کا بیان کیا ہے یعنی کہ وہ اُمّ الظباء کے نام سے معروف تھیں، یہ دوسرے مصادر میں بالعموم بیان نہیں کیا جاتا۔

مذکورہ بالا تمام مصادر نے بالاتفاق ان کو حبشیۃ، حبش کی رہنے والا قرار دیا ہے، لیکن یہ کسی نے نہیں بتایا کہ وہ حبشہ سے کب اور کیسے مکہ مکرمہ لائی گئی تھیں، روایات کے بیانات سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ وہ بہ طور باندی اور غلام مکہ میں رہی تھیں، ان کی غلامی کا سبب نہیں معلوم، البتہ قرینہ یہ کہتا ہے کہ وہ کسی طرح بردہ فروشوں کے قبضے میں پڑیں اور انھوں نے خاتونِ حبشہ کو بازار میں بیچ دیا، یہ بھی واضح نہیں کہ وہ کہاں کہاں بکیں، البتہ مکہ مکرمہ میں وہ خاندانِ نبوت میں اپنی خرید و فروخت کے آخری دور میں پہنچی تھیں۔

روایات میں اس پر اختلافِ شدید پایا جاتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں کس کی باندی تھیں، بلاذری نے اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ امّ ایمن کو اپنے والد سے ترکے میں پایا اور آزاد کر دیا۔ بعض راویوں کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ ایمن کو اپنی ماں سے وراثت میں پایا تھا اور آپ ہی نے اُن کو آزاد فرمایا۔ دوسروں کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد ماجد سے ان کی ولا (تولیت، سرپرستی) پائی تھی اور ایک قوم کا قول ہے کہ وہ آپ کی ماں کی باندی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی عطا کی تھی:

ورث رسول اللّٰہ من ابیہ ام ایمن ، اسمھا برکۃ ، فاعتقھا ، وقال بعض الرواۃ : ورث ام ایمن من امہ ، و قال آخرون: ورث ولاء ھا من ابیہ ، و قال قوم: کانت لامہ فأعتقھا (۳)

نبوی انّا:

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو تقریباً تمام مصادرِ سیرت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی، انّا اور کھلائی کہا ہے: **مولاۃ رسول اللّٰہ ﷺ و حاضنۃ**

امام بخاری نے صراحت کی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انّا تھیں:

و کانت حاضنۃ النبی ﷺ (۴)

بلاذری، ابن کثیر اور متعدد دوسرے قدیم وجدید سیرت نگاروں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت کرتی تھیں: **فکانت أم أیمن تحضنہ (۵)**

امام مسلم کی صحیح کی بنیاد پر مسعود احمد نے بیان کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں سے واپسی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش حضرت اُمّ ایمن کے سپرد ہوئی جو حبشہ کی رہنے والی تھیں اور آپ کے والد عبداللہ کی لونڈی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہوئے تو آپ نے انھیں آزاد کر دیا۔ (۶)

بعض دوسری کتابوں سے تاثر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور دیکھ بھال والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد کی تھی، حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے

قبل ہی آپ کے والدین ماجدین کی خدمت کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ قدسی کے بعد وہ آپ کی دیکھ بھال کرنے لگیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی اور انّا بن گئیں، یہ خدمتِ سعادت انھوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر رضاعت کے لیے جانے سے قبل بھی انجام دی اور جب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ ماجدہ، دادا اور دوسرے عزیزوں سے ملانے لاتیں، حضرت اُمّ ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور پانچ سال کی عمر میں رضاعی ماں کے گھر سے آنے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اَنّا تھیں اور والدہ کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔(۷)

ان دونوں ثقہ راویوں اور اہلِ نظر کے واضح بیانات اور قرائن صحیحہ کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ حضرت اُمّ ایمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال والدہ ماجدہ کے ساتھ ساتھ کرتی رہی تھیں، رضاعت حلیمہ سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی۔

سفرِ مدینہ میں معیت:

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شفیق وکریم دادا جناب عبدالمطلب ہاشمی اور والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کے ساتھ یثرب (مدینے) کا پہلا سفر چھے سال کی عمر میں کیا تو حضرت اُمّ ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انّا کی حیثیت سے شریکِ سفر تھیں۔ بلاذری نے وضاحت کی ہے کہ اصلاً وہ عبدالمطلب ہاشمی کا سفر تھا اور وہ اپنی والدہ اور دوسرے ننہالی رشتہ داروں کی زیارت کے لیے پابندی سے یثرب کا سفر کرتے رہتے تھے اور اکثر و بیشتر اپنی بہو بی بی آمنہ کو بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے کہ ان کے مرحوم شوہر عبداللہ یثرب میں دار نابغہ میں اپنے ننہالی عزیزوں بنوعدی بن النجار، خزرج کے جوار میں مدفون تھے اور ۵۷۶ء کے لگ بھگ جو سفر کیا اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی اَنّا حضرت اُمّ ایمن بھی ہم رکاب تھیں۔(۸)

اتفاق سے یہ سفر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ جناب آمنہ کا آخری سفرِ یثرب ثابت ہوا۔ واپسی کے سفر پر ان کی وفات کا واقعہ ابواء نامی مقام پر پیش آ گیا اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔ عبدالمطلب ہاشمی اور حضرت اُمّ ایمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابواء سے واپس مکہ مکرمہ لائے اور اب وہ تنہا ہاشمی دُرِ یتیم کی انّا، کھلائی اور دایہ بن گئیں اور مرحومہ ماں کی جگہ لے لی۔ مشہور روایات میں وضاحت ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنِ تنہا ابواء سے مکہ مکرمہ دادا کے پاس لائی تھیں اور جناب عبدالمطلب ہاشمی اس سفر سعادت میں شریک نہ تھے، بلکہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے تھے اور صرف والدہ ماجدہ اور حضرت امّ ایمن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کا سفر فرمایا تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔(۹)

اس پر بحث تو جناب عبدالمطلب ہاشمی کی سوانح حیات میں تفصیل و دلائل کے ساتھ آئی ہے، یہاں اس کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے، قدیم و جدید سیرت نگاروں نے بالعموم ابن اسحاق کی روایت کی پیروی کر کے اصل واقعہ بدل

ڈالا۔(۱۰)

یثرب (مدینے) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے قیام کا ایک واقعہ حضرت اُمّ ایمن سے مروی ہے، ابنِ سعد اور ابنِ کثیر اور ان کے بعد دوسرے ائمہ سیرت کے علاوہ واقدی کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ یثرب میں کھیلا کرتے تھے تو یہود کے کچھ لوگ آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غور سے ملاحظہ کرتے تھے۔ حضرت اُمّ ایمن کا بیان ہے کہ ان یہودیوں میں سے ایک کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: یہ اس اُمّت کا نبی ہے اور اس کی ہجرت کا گھر ہے اور میں نے اس کی پوری بات اچھی طرح ذہن میں محفوظ کر لی، **و کان قوم من الیهود یختلفون ینظرون الیه فقالت اُمّ ایمن : فسمعت احدهم یقول: هو نبی هذه الامه و هذه دار هجرته ، فوعیت ذلک کله من کلامه.** (۱۱)

حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ واقدی سے نقل کیا ہے: حضرت اُمّ ایمن کا بیان ہے کہ مدینے کے قیام کے دوران میرے پاس یہودِ مدینے کے دو شخص آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے پاس احمد کو لے آؤ، ہم انھیں دیکھنا چاہتے ہیں، ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھا اور ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا، یہ اس اُمّت کے نبی ہیں اور یہی ان کا دارالہجرت ہے اور اس مقامِ ہجرت میں قتل وقید کا ایک واقعۂ عظیم رونما ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے جب یہ سنا تو واپس ہوگئیں کیونکہ ان کو خوف لاحق ہوگیا تھا:

قالت ام ایمن فجاء نی ذات یوم رجلان من یهود المدینة فقالا لی: أخرجی الینا احمد ننظر الیه و قلباه فقال احدهما لصاحبه: هذا نبی هذه الامة وهذه دار هجرته ، و سیکون بها من القتل و السبی امر عظیم ، فلما سمعت امه خافت و انصرفت به. (۱۲)

حافظ ابن کثیر نے اس فصل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت، ان کے ایمان و اسلام اور والدین و دادا کے ایمان وغیرہ کی روایات بیان کر کے ان پر نقد وتبصرہ کیا ہے، لیکن حضرت اُمّ ایمن کی مذکورہ بالا روایت پر کوئی نقد واستدراک نہیں کیا ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بعثت سے قبل اس نوع کی روایات بہ کثرت پیشین گوئیوں کی شکل میں پائی جاتی ہیں اور یہ ان میں سے ایک ہے، حلبی نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا البتہ دوسری روایات پر خوب بحث کی ہے۔(۱۳)

دادا اور چچاؤں کے گھر میں:

والدہ ماجدہ بی بی آمنہ بنت وہب زہری کی وفات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کریم وشفیق دادا عبدالمطلب ہاشمی کے ساتھ غالباً ان کے گھر میں رہے اور ان کی راست نگرانی میں پروان چڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اور انّا (حاضنہ) کی حیثیت سے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ پہلے جناب عبدالمطلب ہاشمی کے گھر میں۔ روایات میں آتا ہے کہ عبدالمطلب ہاشمی حضرت اُمّ ایمن کو برابر تاکید کیا کرتے تھے کہ وہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت اور زیادہ محبت و شفق کے ساتھ کریں اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیں اور وہ بھی ٹوٹ کر آپ سے پیار کرتی تھیں: **وقال عبدالمطلب لام ایمن و کانت تحضن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا برکة لا تغفلی عن ابنی فان وجدته مع غلمان قریبا من السدرة** (۱۴)

ابنِ سعد میں صرف یہ بیان ہے کہ عبدالمطلب ہاشمی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بچوں کے ساتھ بیری کے پاس پایا تھا تو حضرت اُمّ ایمن کو غفلت نہ کرنے کی ہدایت کی تھی، مگر اس پر حلبی نے کافی اضافہ کیا ہے اور حضرت اُمّ ایمن کی سند سے ہی روایت بیان کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضانت کرتی تھی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش وحفاظت کی ذمے داری ادا کرتی تھی، ایک دن میں ذرا چوک گئی، ابھی ہوشیار نہ ہوئی تھی کہ عبدالمطلب کو اپنے سر پر کھڑا پایا اور پھر انھوں نے حضرت اُمّ ایمن کو بتایا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں پایا اور ان کی دیکھ بھال میں ہوشیاری کی ہدایت دی کہ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گزند پہنچ جانے کے خدشے سے وحشت ہوتی تھی:

و عن ام ایمن کنت احضن النبی صلی اللّٰہ ﷺ ای اقوم بتربیته و حفظه ، فغفلت عن یوما ، فلم ادر الا بعبد المطلب قائما علی راسی یقول لا تغفلنی عن ابنی. (۱۵)

چچا زبیر اور ابوطالب کے گھر میں:

آٹھ سال کی عمر شریف ہوئی تو ۵۷۸ء میں دادا کی وفات ہوئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دو سگے چچا، زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی اور ابوطالب بن عبدالمطلب ہاشمی کی خصوصی کفالت و پرورش میں آئے، حضرت اُمّ ایمن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اَنّا اور کھلائی اور باندی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ ساتھ رہیں، خواہ وہ زبیر ہاشمی کا گھر رہا ہو یا ابو طالب ہاشمی کا، دوسرے اعمام وعمات (چچاؤں اور پھوپھیوں) کی عمومی کفالت و دیکھ بھال یا زیارت کی صورت میں حضرت اُمّ ایمن ان کے گھروں میں بھی سکونت پذیر رہیں، کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذات والا صفات کے ساتھ وابستہ تھیں اور ان کا سب سے بڑا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال اور پرورش تھا۔ (۱۶)

ابنِ سعد کی ایک روایت ہے کہ بڑی عمر میں بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت فرماتیں اور آپ کی دیکھ بھال کرتیں: **کانت ام ایمن تلطف النبی ﷺ و تقوم علیه.** (۱۷)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بچپن سے حضرت اُمّ ایمن سے خاص لگاؤ اور شدید محبت تھی، اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی ماں کے بعد اپنی ماں ہی سمجھتے تھے اور اپنی سگی ماں کی طرح پیار کرتے تھے۔ ابن سعد ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ ایمن کو ماں کہتے اور جب جب ان کو دیکھتے، فرماتے کہ وہ میرے اہلِ بیت کا بقیہ ہیں: **کان رسول اللّٰہ ﷺ یقول لام ایمن یا امه ، و کان اذا نظر الیها قال : هذه بقیة اهل بیتی.** (۱۸)

حلبی نے حدیث شریف کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں: انت امی بعد امی ، و یقول ام ایمن امی بعد امی (ایمن امی بعد امی) . (۱۹)

حافظ ابنِ حجر نے اس حدیث کے علاوہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اور ان کی اولاد سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ (۲۰)

ان سے محبت وتعلقِ نبوی کا واقعہ اتنا معروف ومشہور تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے اکابر شہر اس کو جانتے اور لحاظ کرتے تھے۔

کاشانۂ نبوّت میں:

جوانی کی عمر کو پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی گھر میں قیام پذیر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انّا حضرت اُمّ ایمن آپ کے ساتھ خاندانی مکان میں اٹھ آئیں کہ وہ ماں کی جگہ اس مقام کی حق دار تھیں، دوسرے وہ ابھی تک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے رشتۂ افتخار اور بندگی کے سلسلۂ ناز سے بھی وابستہ تھیں۔ روایات کا واضح بیان تو نہیں ملتا تاہم قرائن بتاتے ہیں اور صحیح اور حتمی بتاتے ہیں کہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کاشانۂ نبوت میں شروع سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی تک قیام پذیر رہی تھیں۔

پچیس برس کی عمرِ شریف میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی رضی اللہ عنہ سے شادی کی تو شاید اس کے بعد ہی حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو آزادی عطا فرمادی، جیسا کہ ابنِ سعد کی روایت میں گزرا، اسی روایت میں اور بعض دوسری روایات میں حضرت اُمّ ایمن کی شادی کا ذکر ملتا ہے۔

پہلی شادی:

ابن سعد کے مطابق آزادی کے بعد بنوالحارث بن خزرج کے ایک یثربی آزاد شخص عبید بن زید خزرجی نے حضرت اُمّ ایمن سے شادی کرلی۔ اس رشتے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر یثرب (مدینے) کے باشندے تھے اور خزرج کے قبیلے کے ایک فرد تھے اور اسی قبیلے کی ایک شاخ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب ہاشمی کی والدہ ماجدہ حضرت سلمٰی بنت عمرو عدی بن نجار (خزرجی) تعلق رکھتی تھیں اور اسی کی زیارت کے لیے جناب عبدالمطلب ہاشمی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ، آپ سمیت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر گئے تھے، غالباً یہ رشتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی لگایا تھا کہ وہ آزادی کے بعد بھی ہاشمی ولا کے رشتے سے بندھی ہوئی تھیں، ابن سعد کی اس روایت میں ان کے اولین شوہر کا نام عبید بن زید ہے: فتزوج عبید بن زید. (۲۱) جب کہ دوسری روایات میں عبید بن عمرو ہے، اس نکاح کی دوسری تفصیلات تحقیق طلب ہیں، البتہ عام روایات میں یہ آتا ہے کہ اس رشتے سے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ایک فرزند حضرت ایمن بن عبید خزرجی پیدا ہوئے تھے اور ایمن کی نسبت سے ان کی کنیت اُمّ ایمن ہوگئی تھی اور وہ کنیت ایسی خوش آئند وقسمت خیز بنی کہ وہ اپنے اصل نام برکۃ سے زیادہ اسی سے مشہور

ہوئیں، حافظ ابنِ حجر کے مطابق حضرت ایمن کی نسبت ان کی ماں کی طرف اس بنا پر تھی کہ وہ بیت نبوی کے اہل میں سے تھیں اور ان کے والد سے افضل، اس حد تک کہ دوسری شادی اور فرزند کی ولادت سے قبل بھی وہ اُم ایمن ہی کہلاتی رہیں اور بعد میں بھی، حالانکہ وہ اور ایک عظیم تر فرزند اور مشہور تر صحابی کی ماں بنیں، لیکن ان کے نام سے ان کی کنیت نہیں پڑی، حضرت ایمن رضی اللہ عنہ صحابی رسول بنے اور غزوۂ حنین میں شہادت سے سرفراز ہوئے، یہ ابن سعد اور دوسری تمام کتب سیر و تاریخ میں متفقہ روایت ملتی ہے۔ حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کے غزوۂ خیبر میں شہادت پانے کی روایت بعض مصادر کی روایات جیسے ابنِ حجر کی الاصابہ میں اور جدید سیرتوں میں پائی جاتی ہے، قطعاً غلط اور غیر معتبر ہے۔ (۲۲)

ابن قتیبہ نے حضرت عباس بن عبدالمطّلب کی طرف دو شعروں کی نسبت کی ہے جن میں حضرت ایم بن عبید کی شرکت، نصرت اور شہادت کا حوالہ ہے:

نصرنا رسول الله فی الحرب سبعة
وقد فرَّ من قد فرَّ عنه فأقشعوا
وثامننا لاقی الحمام بسیفه
بما مسَّه فی الله لا یتوجَّع(۲۳)

بلاذری نے یہ صراحت کی ہے کہ حضرت ام ایمن نے عبید بن عمرو بن بلال بن ابی الحرباء بن قیس بن مالک بن ثعلبہ بن جشم بن مالک بن سالم جو حلبی کہلاتے تھے، بن غنم بن عوف بن خزرج سے زمانۂ جاہلیت میں مکے میں شادی کی تھی، اور ان سے ایمن بن عبید تولّد ہوئے تھے۔ بلاذری نے یہ بھی بیان کیا کہ حضرت ایمن کے والد خالص عرب تھے۔ جبکہ ابن حجر کی ایک ضعیف و مجروح روایت میں ہے کہ وہ بھی حبشی تھے اور موالی خزرج میں سے تھے (۲۴) حضرت ایمن جنگ حنین میں اس وقت بھی ثابت قدم رہے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے رہے تھے، جب اکثر صحابہ کے پیر اکھڑ گئے تھے اور اسی غزوے میں انھوں نے شہادت پائی تھی، شاید دفاع نبوی میں۔ حضرت ایمن خزرجی کے بارے میں امام بخاری نے صراحت کی ہے کہ وہ انصار کے ایک فرد تھے (۲۶)۔

حضرت ایمن خزرجی کی عمر شہادت، ابن سعد کی روایت شادی اور دوسرے قرائن و آثار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت اُمّ ایمن کی عبید بن عمرو خزرجی سے شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے شادی کے معاً بعد ہی ہوئی تھی، غالباً ۹۶۔۵۹۵ء میں۔ وہ اپنے پہلے شوہر کے گھر مکے میں ہی مقیم رہیں، کیونکہ عبید خزرجی وہاں بس گئے تھے، بلاذری کی ایک روایت میں ہے کہ عبید خزرجی اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو شادی کے بعد مدینے لے گئے تھے۔ جہاں وہ ان کے گھر میں ان کی زندگی بھر رہیں، وہیں ان کے فرزند ایمن کی ولادت ہوئی اور چند برس کے اندر ہی عبید بن عمرو خزرجی کی وفات ہوگئی اور وہ پھر کاشانۂ نبوت پلٹ آئیں۔ مدینے سے واپس آنے کے بعد وہ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی قیام پذیر رہیں، کیونکہ ان کے شوہر کا گھر مکے میں نہیں تھا اور کیونکہ وہ فارغ رہیں اور شادی نہیں کی تھی۔ و مات عبید

عن ام ایمن فکانت فارغة لم تتزوج بها . (۲۷) قدم عبید بن عمرو الخزرجی مکة فاقام بها و تزوج ام ایمن برکة مولاة رسول اللّٰہ ﷺ و نقلها الی یثرب ، فولدت له ایمن بن عبید ، ومات عنها، فرجعت الی مکة(۲۷)

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام اُمّ ایمن:

تاریخی واقعات کی ترتیب زمانی کے لحاظ سے جناب اُمّ ایمن اپنے شوہر عبید بن عمر وخزرجی اور اپنے بچے ایمن بن عبید خزرجی کے ساتھ مکہ مکرمہ ہی میں سکونت پذیر رہیں، امکان ہے کہ اس دوران وہ اپنے شوہر کے ساتھ ان کے وطن مالوف یثرب (مدینے)، زیارت وسکونت کے لیے گئی ہوں یا جاتی رہی ہوں، جیسا کہ بلاذری کی ایک روایت میں ایسا مذکور ہے، دوسری روایات سے تاثر ملتا ہے کہ وہ مکے ہی میں قیام پذیر رہیں، ان کے مدینے جانے کا بہرحال امکان ہے، کیونکہ کہ مدنی رہ یثربی مہاجرین اور تارکین وطن بالعموم اپنے رشتہ داروں سے ملاقات، زیارت اور دوسرے تجارتی وجوہ سے یثرب جاتے رہتے تھے۔

اسی زمانے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی تبلیغ سے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرلیا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ اسلام کے آغاز میں ہی مسلمان ہوگئی تھیں اور قدیم مسلم تھیں اور صرف یہی نہیں، انھوں نے حبشہ کو ہجرت بھی کی تھی اور بعد میں مدینہ ہجرت کر گئیں۔(۲۸) ان کی ہجرت پر بحث ذرا بعد میں ہوگی۔

ان کے قبولِ اسلام کی روایات کم ملتی ہیں، لیکن یہ حقیقت بہرحال ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اوّلین مسلمین میں تھیں۔ سید مودودی نے خفیہ تبلیغ کے سہ سالہ زمانے کے جن سابقینِ اسلام کی فہرست دی ہے، ان میں غلاموں اور لونڈیوں کی ذیلی فہرست میں سرنامہ حضرت اُمّ ایمن بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے، جنھوں نے بچپن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں پالا تھا۔(۲۹) انھوں نے یہ تو بتایا کہ انھوں نے بڑی تلاش وتفحص سے یہ فہرست تیار کی ہے لیکن مآخذ کا نام نہیں بتایا، تلاش و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایت پوری کی پوری ابن عبدالبر کی استیعاب سے ماخوذ ہے، جس میں ان کا اصل نام، خاندان، کنیت، ہجرتِ حبشہ ومدینہ وغیرہ کا ذکر پایا جاتا ہے، اس میں ان کی اپنی روایت کے علاوہ واقدی، ابن اسحاق، ابن ہشام اور موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کی روایات وحوالے موجود ہیں۔(۳۰)

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے حبشہ ہجرت نہیں کی تھی، تمام مصادر سیرت نے مہاجرین حبشہ کی فہرست میں ان کا نام نہیں گنایا ہے، غالباً کسی شاذ روایت میں ان کو مہاجرات حبشہ میں شمار کرلیا گیا ہو جو غیر معتبر ہے، حافظ ابن حجر نے ابن عبدالبر کے اس خیال وگمان پر کہ اُمّ ایمن مہاجرہ حبشہ تھیں نقد کیا ہے: **و فی کون ام ایمن هاجرت الی ارض الحبشة نظر** (۳۱) یہ بھی ممکن ہے کہ مؤلف اسد الغابہ کو برکہ بنت یسار زوجہ قیس بن عبداللہ اسدی خزیمی کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہو، کیونکہ برکہ بنت یسار ابوسفیان اموی کی آزاد کردہ باندی تھی اور مہاجرہ حبشہ بھی۔(۳۲)

دوسری شادی:

بیوہ ہونے کے بعد حضرت اُمّ ایمن اپنے نوخیز بچے ایمن کے ساتھ کاشانۂ نبوت میں دوبارہ آ گئیں تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دوسری شادی کرنے کا خیال ستانے لگا، روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جس کو یہ بات خوش کرے کہ وہ ایک جنتی بی بی سے شادی کرلے اسے چاہیے کہ وہ اُم ایمن سے نکاح کرلے اوراسی ترغیب ومحبت کی بناپر حضرت زید بن حارثہ کلبی نے ان سے شادی کرلی، **من سره ان يتزوج امرأة من اهل الجنة فليتزوج ام ايمن ، فتزوجها زيد بن حارثة.** (۳۱) اپنی ایک اور روایت میں ابن سعد نے ایک مزید صراحت یہ کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس حضرت اُمّ ایمن کی شادی حضرت زید بن حارثہ شراحیل کلبی سے کی تھی۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ تھے جو حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ہبہ کی بناپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان کی شادی حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سے کی اور یہ شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت ونبوت کے بعد ہی انجام دی تھی: **وكان زيد بن حارثه بن شراحيل الكلبى مولىٰ خديجة بنت خويلد فوهبته رسول ﷺ فاعتقه و زوجه ام ايمن بعد النبوة۔** (۳۴)

حضرت زید بن حارثہ کلبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دس سال چھوٹے تھے۔ (۳۵) حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت ان کی عمر پینتیس سال رہی تھی اور حضرت اُمّ ایمن کی عمر یقیناً زیادہ تھی، اس شادی سے حضرت زید کے فرزند حضرت اسامہ بن زید کلبی پیدا ہوئے تھے اور وہ ہجرتِ مدینہ کے وقت چھوٹے تھے، روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہم عمر تھے اور اسی بناپر دونوں کو غزوۂ بدر میں نابالغ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ (۳۶) ان کے علاوہ بعض دوسرے نوجوان صحابہ کرام کے مسترد کیے جانے کا بھی ذکر ملتا ہے، غزوۂ احد میں بھی ان دونوں کو دوسرے کم سن بچوں کی مانند شرکت کی اجازت نہیں ملی (۳۷) لہٰذا وہ ہجرت مدینہ کے وقت دس گیارہ سال کے تھے اور ان کی تاریخ وسنہ ولادت ۶۱۱ء تا ۶۱۲ء تھا۔ حضرت زید کی شادی حضرت اُمّ ایمن سے اس لحاظ سے نبوت و بعثت کے فوراً بعد ہی ٹھہرتی ہے اور یہی روایات کا بیان بھی ملتا ہے۔

حضرت زید بن حارثہ کلبی کے گھر میں:

دوسری شادی کے بعد حضرت اُمّ ایمن اپنے شوہر حضرت زید بن حارثہ کلبی کے گھر میں منتقل ہوگئیں، کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ عادلہ تھی کہ آپ شادی شدہ بچوں، بچیوں اور عزیزوں کو علیحدہ مکان میں رکھتے تھے اور یہ سنتِ نبوی جوان دختروں بالخصوص ناکتخدا دختروں کے ضمن میں بھی نظر آتی ہے اور صرف مدینہ منورہ کی زندگی اور سماجی ماحول کے حوالے سے نہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے سماجی مسلم نظام وانتظام میں بھی۔ (۳۹) اگرچہ حضرت اور ان کی زوجۂ مکرمہ حضرت اُمّ ایمن اور ان کے فرزند گرامی حضرت اسامہ سب کے سب نبوی عیال تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے والی، مولیٰ اور مربی تھے، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوسروں مربیوں، لے پالکوں، آزاد کردہ موالی اور

غلاموں اوران کی اولاد کے سرپرست اور کفیل تھے، ان سب کی کفالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔(۴۰)

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ علیہا نے اپنے دوسرے شوہر حضرت زید بن حارثہ کلبی کے ساتھ لگ بھگ بیس برس کا عرصہ گزارا، اس میں تقریباً بارہ برس کا زمانہ مکہ مکرمہ میں بسر ہوا۔۱۲۔۶۱۱ء سے ۶۲۲ء تک اور لگ بھگ آٹھ برس کا زمانہ مدینہ منورہ میں ان کے ساتھ گزرا۔۶۲۲ء سے ۶۳۰ء تک۔ یہ ان کا حسین ترین عرصۂ موافقت اور زمانۂ رفاقت تھا کہ چاہنے والے شوہر اور عزیز فرزند کی محبت ان کو میسر تھی، یہ دوسری بات ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کلبی کی بعض دوسری شادیوں نے ان پر چار سوکنوں کا اضافہ کر دیا تھا، لیکن وہ عرب اسلامی معاشرت کا ایک جز بھی تھی اور ابتدائے اسلام میں معاشرتی نظام کے ارتقا کی ایک کڑی تھی، سوکنوں کو بہ طیبِ خاطر یا بہ جبر و اکراہ برداشت کرنا ہی پڑتا تھا۔عورت کی فطری لچک اس کی گنجائش نکال لیتی تھی، حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کا صبر و شکر تھا اور مشیتِ الٰہی کہ حضرت زید نے اپنی دوسری بیویوں میں سے بیشتر کو طلاق دے دی تھی اور صرف اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا رہ گئیں۔ بہرکیف حضرت زید کے ساتھ ان کی مسرت و شادمانی کا زمانہ گزرتا رہا تا آنکہ جمادی الاولیٰ ۸ھ/ستمبر ۶۲۹ء کے غزوۂ موتہ میں حضرت زید کی شہادت کی بنا پر وہ مسرت بھرا زمانہ ختم ہوا اور وہ پھر ایک بار بیوہ ہو گئیں اور پھر انھوں نے شادی نہیں کی۔(۴۱)

ہجرت مدینہ:

پہلے مسلمانانِ مکہ نے ہجرت کی اور پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۲۲ء میں مدینے کو چ فرمایا۔ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے شوہر اور دوسرے موالی نبوی مسلمانانِ مکہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے تھے، ابن ہشام کے مطابق حضرت زید نے اپنے مکی مواخات کے بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ ہجرت کی تھی اور حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر اترے تھے اور خواتین بیتِ نبوی اور دوسری مستورات پیچھے مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی ان میں شامل تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دخترانِ نیک اختر اور دوسری مستورات بھی، حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا بھی ان میں سے ایک تھیں، مدینہ منورہ پہنچنے کے کچھ عرصے کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو موالی حضرات زید بن حارثہ کلبی اور ابورافع کو پانچ سو درہم دے کر مکہ مکرمہ بھیجا، تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دختروں حضرت فاطمہ اور حضرت اُمّ کلثوم اور زوجۂ مطہرہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن کو مدینہ لے آئیں اور اسی کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کی خواتین کو بھی بلا بھیجا، جن میں اُن کی اہلیہ حضرت اُمّ رومان اور دو دختریں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں، مہاجرات کے اس قافلۂ سعادت میں حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا اور ان کے فرزند حضرت اسامہ بھی شامل تھے، راویوں کے بقول یہ کاروانِ ہجرت مدینہ منورہ اس وقت پہنچا جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اپنی مسجدِ مکرم اور اہلِ خاندان کے لیے حجرے تعمیر فرما رہے تھے، یعنی ۶۲۳ء کے آغاز میں ہجرتِ نبوی کے چھے سات ماہ کے بعد مسجدِ نبوی کی تعمیر صفر ۱ھ یعنی لگ بھگ ہجرت کے گیارہ ماہ بعد مکمل ہوئی۔(۴۲)

ابن سعد نے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے واقعۂ ہجرت سے متعلق ایک معجزاتی واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت اُمّ ایمن اپنے سفرِ ہجرت کے دوران روحا نامی مقام سے پہلے قیام پذیر ہوئیں اور اس وقت وہ پیاس سے بے تاب تھیں کہ روزے سے تھیں اور دوسرے ان کے پاس پانی بھی نہ تھا، ان کو پیاس نے بہت پریشان کر دیا تو آسمان سے قدرتِ الٰہی نے ایک ڈول نازل فرمایا، اس میں سفید دودھ جیسا عمدہ میٹھا پانی تھا، شام ہو چکی تھی اور اسی سے انھوں نے بظاہر روزہ کھولا اور پیاس بجھائی، اتنا پیا کہ سیرابی تام ہوگئی، فرمایا کرتی تھیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی پیاس نہیں لگی، حالانکہ میں سفروں کے دوران سخت گرمی کے زمانے میں بھی روزے رکھا کرتی تھیں، لیکن اس قدرتی پانی اور شرابِ الٰہی کے بعد مجھے کبھی پیاس نہیں لگی، دورانِ قیام وحضر سخت گرمی میں روزہ رکھنے کے باوجود پیاس نہیں لگتی۔ (۴۴)

الاصابہ میں امام ابنِ حجر نے مذکورہ بالا روایت ابنِ سعد کے علاوہ ایک اور روایت اسی سے ملتی جلتی ابن السکن کی تخریج سے بیان کی ہے، اس میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ وہ مکے سے مدینے کے لیے ہجرت کے سفر پر پاپیادہ نکلیں اور ان کے پاس زادِ راہ بھی نہ تھا، جب سورج غروب ہوگیا تو قدرتِ الٰہی سے ان کے سر کے اوپر ایک ڈول پانی بھرا اتر آیا اور اس سے ایسی سیراب ہوئی کہ جنم جنم کی پیاس بجھ گئی اور بقول حضرت اُمّ ایمن ''مجھ کو بعد کی زندگی میں اس کی طراوت رہتی تھی، انتہائی گرم دنوں میں روزہ رکھتی اور دھوپ میں طواف کرتی تا کہ پیاس لگے مگر پیاس نہ لگتی، ایسی ہی پیاس بجھانے والے سیرابی ہوئی تھی۔ (۴۵)

(جاری ہے)

حوالہ جات:

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۵۸ء: ج ۸، ص: ۲۲۳

۲۔ نیز ابن اثیر۔ اسد الغابہ۔ تہران، طبع غیر مؤرخہ: ج ۵، ص ۵۶۷، ابن حجر۔ الاصابہ۔ مصر ۱۹۳۹ء: ج ۴، ص ۲۴۳، ترجمہ برکۃ مع استیعاب ابن عبد البر بر حاشیہ۔ نیز الاصابہ باب الکنی اُم ایمن، نمبر: ۱۱۴۵، ج ۴، ص: ۴۱۵، ۴۱۶۔ بلاذری۔ انساب الاشراف۔ قاہرہ ۱۹۵۹ء: ج ۱، ص ۹۶۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مصر ۱۹۳۲ء: ج ۲، ص ۲۷۲۔ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، بیروت، غیر مؤرخہ: ج ۱، ص: ۱۰۵۔ مودودی سیرت سرورِ عالم، دہلی، ۱۹۸۹ء: ج ۲، ص ۱۶۱۔

۳۔ بلاذری: ج ۱، ص ۹۶۔ نیز ابن سعد۔ الطبقات الکبری۔ دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء: ص ۴۹۷۔ امام مسلم۔ صحیح۔ کتاب الجہاد والسیر، رد المہاجرین الی الانصار منائحہم۔ اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری۔ کراچی غیر مؤرخہ: ج ۲، ص ۱۱۶۔ ابن قتیبہ۔ کتاب المعارف۔ مرتبہ ثروت عکاشہ۔ باب قاہرہ ۱۹۶۰ء: ص ۱۴۴۔ ابن حجر۔ الاصابہ: ج ۴، ص ۴۱۵۔ ۴۱۶ وغیرہ

۴۔ بخاری۔ الصحیح۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب ذکر اسامہ بن زید

۵۔ ج ۱، ص ۹۶ اور ج ۲، ص ۲۷۲ بالترتیب۔ ابن عبد البر، استیعاب، مذکورہ بالا: **یقال لھا مولاۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خادم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.....** '' **الاصابہ:** ج ۴، ص ۵۱۴: ''مولاۃ

حاضنۃ'' نیز حلبی: ج۱،ص۱۰۵۔ مبارک پوری:ص۸۲: یہی ام ایمن ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گود کھلایا تھا بہ حوالہ مختصر السیر ۃ از شیخ عبداللہ:ص۱۲۔ تلقیح الفہوم:ص۱۴۔ صحیح مسلم: ج۲،ص۹۶۔ ابن حجر۔ فتح الباری۔ ریاض ۱۹۹۷ء: ج۷،ص۱۱۱۔۱۱۴

۶۔ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ دہلی ۱۹۸۶ء،ص۲،۳۔ بہ حوالہ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب رد المہاجرین الی الانصار منائحہم انس

۷۔ ابن سعد: ج۱،ص۱۱۶۔ ابن قتیبہ: ص۱۴۵

۸۔ بلاذری: ج۱،ص۹۴: **زارت امہ قبر زوجہا بالمدینہ، کما کانت تزورہ رمعہا عبد المطلب وام ایمن حاضنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم،** نیز ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ بیروت ۱۹۶۰ء: ج۱، ص۱۱۶۔ **ومعہ ام ایمن تحضنہ**

۹۔ ابن ہشام۔ السیر ۃ النبویۃ۔ قاہرہ ۱۹۳۷ء: ج۱،ص۱۷۹،۱۸۰۔ سہیلی۔ الروض الانف۔ قاہرہ ۱۹۶۷ء: ج۲، ص۱۸۱ ومابعد

۱۰۔ ابن قتیبہ:ص۱۵۰: **وردتہ ام ایمن حاضنتہ الی مکۃ بعد موت امہ** .....اور بعض دوسرے قدیم وجدید اہل سیر

۱۱۔ ابن سعد: ج۱،ص۱۱۶ ۱۲۔ البدایہ والنہایہ: ج۲،ص۲۷۹

۱۳۔ حلبی: ج۱،ص۱۰۵،۱۱۰ ۱۴۔ ابن سعد: ج۱،ص۱۱۸

۱۵۔ حلبی: ج۱،ص۱۱۰

۱۶۔ اعمام وعمات کی کفالت کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب ''عبدالمطلب ہاشمی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا'' اور تحقیقات اسلامی، علی گڑھ میں راقم کا مضمون ''کفالت نبوی کی وصیت عبدالمطلبی''

۱۷۔ ج۸،ص۳۲۴۔ ابن حجر۔ الاصابہ: ج۴،ص۴۱۶ میں ''وتقوم علیہ'' ہے جو قوم علیہ کی تصحیف ہے جیسا کہ ابن سعد وغیرہ میں ہے۔

۱۸۔ ابن سعد: ج۸،ص۲۲۳ ۱۹۔ حلبی: ج۱،ص۱۰۵۔ نیز ابن اثیر: ج۵،ص۵۶۷

۲۰۔ فتح الباری: ج۷،ص۱۱۳۔ الاصابہ ترجمہ ام ایمن۔ ابن عبدالبر۔ استیعاب ترجمہ برکہ مذکورہ بالا، نیز بحث براولاد

۲۱۔ ابن سعد: ج۸،ص۲۲۳

۲۲۔ ابن سعد: ج۸،ص۲۲۳۔ ابن اثیر: ج۵، ج۵۶۷۔ ابن حجر۔ الاصابہ نمبر۳۹۴۔ بلاذری: ج۱،ص۳۶۵، ۴۷۱۔۴۷۲۔ فتح الباری: ج۷،ص۱۱۳: **واستشہد ایمن یوم حنین مع النبی ونسب ایمن الی امہ لشرفہا علی ابیہ وشہرتہا عند اہل البیت النبوی** .....

۲۳۔ ابن قتیبہ:ص۱۶۴۔ الاصابہ: ج۴،ص۴۱۵

۲۴۔ فتح الباری: ج۷،ص۱۱۳ ۲۵۔ کتاب وہاب مذکورہ بالا، رقم الحدیث ۳۷۳۶

۲۶۔ بلاذری: ج۱،ص۴۷۱۔۴۷۲

۲۷۔ ابن اثیر: ج۵،ص۵۶۷:واسلمت قديما اول الاسلام وهاجرت الى الحبشه والى المدينه

۲۸۔ ابن اثیر: ج۵،ص۵۶۷ ۲۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ سیرت سرور عالم: ج۲،ص۶۱

۳۰۔ ابن عبدالبر برحاشیہ الاصابہ: ج۴،ص:۲۴۳۔۲۴۵،ترجمہ برکہ، نیز الاصابہ ترجمہ اُمّ ایمن

۳۱۔ الاصابہ: نساء:۱۶۵

۳۲۔ مودودی: ج۲،ص:۵۸۳۔ بحوالہ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ج۱،ص:۳۴۴،۳۵۳ بالخصوص ۳۴۶۔ بلاذری: ج۱،ص:۱۹۸،۲۲۷ بالخصوص ۲۰۰

۳۳۔ ابن سعد: ج۸،ص:۲۲۴۔ بلاذری: ج۱،ص:۲۷۴۔ ابن حجر۔ الاصابہ: ج۴،ص:۴۱۶

۳۴۔ ابن سعد: ج۸،ص:۲۲۳۔ ابن اثیر۔ اسد الغابہ: ج۲،ص:۲۲۶۔ فتح الباری: ج۷،ص:۱۱۳۔ بلاذری: ج۱،ص: ۴۶۷۔۴۷۱۔ ابن عبدالبر۔ استیعاب مذکورہ بلا اور ابن حجر۔ الاصابہ نمبر ۱۱۴۵

۳۵۔ ابن سعد: ج۳،ص:۴۴ ۳۶۔ بلاذری: ج۱،ص:۲۸۸

۳۷۔ بلاذری: ج،ص:۳۱۶ ۳۸۔ بلاذری: ج۱،ص:۴۷۵

۳۹۔ ابن سعد: ج۱،ص:۲۴۰۔ ابن ہشام: ج۲،ص:۱۱۴۔۱۱۵۔ بالخصوص ابن سعد: ج۸،ص:۱۶۴، ۱۶۸۔ ذکر منازل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۴۰۔ بخاری۔ صحیح: کتاب بدء الخلق۔ باب صفۃ ابلیس وجنودہ، حدیث:۳۲۸۱

۴۱۔ ابن سعد: ج۳،ص:۴۳، ۴۷۔ شہادت بعمر ۵۵ سال۔ دیگر ازواج حضرت زید: اُمّ کلثوم بنت عقبہ اُموی، درہ بنت ابی لہب ہاشمی، ہند بنت عوام اسدی قریشی: ج۸،ص:۱۰۱۔۱۰۲۔ ومابعد۔ بلاذری: ج۱،ص:۴۶۷۔۴۷۳

۴۲۔ ابن ہشام: ج۲،ص:۱۱۸

۴۳۔ بلاذری: ج۱،ص: ۲۶۹۔۲۷۰۔ ابن سعد: ج۱،ص: ۲۳۷، ۲۳۸۔ نیز ج ۳،ص:۴۴ و مابعد برائے مواخات و ہجرت۔ نیز بلاذری: ج۱،ص:۴۱۴ ومابعد۔ ابن حجر۔ الاصابہ نمبر ۱۱۴۵

۴۴۔ ابن سعد: ج۸،ص:۲۲۴۔ الاصابہ:۱۴۵

۴۵۔ ابنِ حجر: الاصابہ۔ ج۴،ص:۴۱۵۔۴۱۶: نمبر ۱۱۴۵

یومِ فتحِ قادیان (21/اکتوبر 1934ء)

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

برطانوی اِستعمار کے متحدہ ہندوستان میں قادیانیت کی تخلیق کے بنیادی مقاصد میں انگریز سرکار کے لیے وفاداری کے جذبات پیدا کرنا، جذبۂ جہاد کی رُوح کا خاتمہ اور مسلمانوں میں مذہب کے نام پر نئے اِرتدادی فتنے کی ترویج تھی۔ اس لیے مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کے ایماء پر مرحلہ وار مجدد، مہدی اور نبی ہونے کے دعوے کر کے اُمت مسلمہ میں انتشار و اِفتراق کا بیج بویا اور جہاد کے خلاف تحریروں کا آغاز کیا۔ مرزا قادیانی مشرقی پنجاب (انڈیا) کے ضلع گورداس پور کے قصبہ قادیان کا رہنے والا تھا۔ اِس لیے قادیانیوں کے نزدیک قادیان کو مقدس مقام کا درجہ حاصل تھا۔ مرزا قادیانی کے بعد اُس کے بیٹے مرزا بشیر الدین کے قادیانی جماعت کی سربراہی سنبھالتے ہی قادیان میں اُس کی آمرانہ حکومت قائم ہوگئی اور غیر قادیانیوں خصوصاً مسلمانوں پر زندگی تنگ کر دی گئی۔ مسلمانوں کو سماجی بائیکاٹ اور ظلم و تشدد کے حربوں سے اس قدر زِچ کر دیا گیا تھا کہ اُن کے لیے قادیانیت قبول کر لینے یا قادیان چھوڑ دینے کے سوا کوئی تیسرا راستہ باقی نہ رہا تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود کی آمرانہ اور استبدادی طبیعت کی وجہ سے مرزائی جماعت میں بھی پھوٹ پڑ گئی اور وہ لاہوری اور قادیانی؛ دو ذیلی فرقوں میں بٹ گئی۔ مرکزی دھارے کی مرزائی جماعت قادیانی کہلاتی ہے اور دوسری جماعت لاہور میں مرکز ہونے کی وجہ سے لاہوری کہلاتی ہے۔ ان روزوں اکثر لبرل پلیٹ فارمز پر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ مولوی احمدیوں کو قادیانی کیوں کہتے ہیں؟ تو اس کا تاریخی پس منظر یہی ہے۔ جب عام مسلمان اور خاص طور پر مرزائی مذہب کی تاریخ سے آگاہی رکھنے والے مسلمان قادیانی کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد مرزائیوں اور احمدیوں کا ایک خاص فرقہ ہوتا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔ جب کہ دوسرا فرقہ لاہوری فرقہ ہے جس کے خیال میں مرزا قادیانی نبی نہیں تھا بلکہ ایک مجذوب صوفی اور مصلح و مجدد تھا۔

مجلس احرار اسلام کے رہنما تحریک کشمیر (1931ء) کے اجراء اور اُس کے نتیجے میں قید و بند سے آزاد ہوئے ہی تھے کہ اُنھی دنوں قادیان کے مظلوم مسلمانوں نے اُنہیں دادرَسی کی درخواست اور وہاں کے دردناک حالات و واقعات پر مشتمل ایک خط ارسال کیا۔ افسوسناک واقعات سے آگاہی پا کر احرار رہنماؤں میں اضطراب کی شدید لہر دوڑ گئی اور اُنہوں نے میدان میں اُترنے کا فیصلہ کر لیا۔ جنوری 1934ء میں مولانا عنایت اللہ چشتیؒ کو قادیان میں بحیثیت احرار مبلّغ تعینات کر کے وہاں دفتر احرار کھول دیا گیا۔ یہ قادیان کی تاریخ میں پہلی بار کسی مسلمان جماعت کا قادیانیوں کے مقابل آنے اور قادیان میں ڈیرہ لگانے کا جرأت مندانہ فیصلہ تھا۔ مجلس احرار اسلام نے ختم نبوت کے تحفظ، قادیانیت کے طلسم کو توڑنے اور اُس کے منفی اثرات کے خاتمے کے لیے اپریل 1934ء میں جماعت کا ایک غیر سیاسی شعبہ، ''شعبۂ

تبلیغ'' کے نام سے قائم کیا۔ اِسی اثناء میں احرار رہنماؤں نے 21، 22، 23/ اکتوبر 1934ء کو قادیان میں تاریخ ساز تین روزہ آل انڈیا احرار تبلیغ کانفرنس کے انعقاد کا جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔

قادیان، ایک قادیانی ریاست کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ جہاں قادیانیوں کو انگریز حکام کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔ وہاں قادیانیوں کے بارے میں کچھ کہنے کی جسارت کرنا، گردن زدنی کے مترادف تھا۔ متعدد علمائے کرام تحفظ ختم نبوت کی پاداش میں قادیانیوں کے ہاتھوں پٹ چکے تھے۔ ظلم اور وَحشت کی اس فضا میں قادیان میں ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد بہت جرأت آزما اور بڑے دل گردے کا کام تھا۔ قادیان مرزائی نبوت کے شاہی خاندان کا ملکیتی قصبہ تھا۔ اپنے علاقہ میں وہ ایسی کانفرنس کا منعقد ہونا کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ اِس لیے کانفرنس کے لیے متعینہ جگہ کے گرد قادیانیوں نے چار دیواری تعمیر کر دی۔ آخر کار قادیان کی غربی سمت آریہ ہندوؤں کے قائم کردہ ایک سکول کی کئی ایکڑ پر مشتمل وسیع اراضی کو کانفرنس کے لیے منتخب کر لیا گیا۔

احرار ختم نبوت کانفرنس کا شہرہ برصغیر کے کونے کونے تک پہنچ چکا تھا۔ مسلمانوں کی اپنے آقا محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت اور اُن کے ناموس پر مرمٹنے کا جذبہ دیدنی تھا۔ ہندوستان کے ہر علاقے بالخصوص پنجاب میں کہ جہاں سے قادیانیت نے جنم لیا تھا، مسلمانوں کا جوش وجذبہ اپنے عروج پر تھا۔ ہندوستان کے کونے کونے سے مسلمان قادیان پہنچ رہے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق 2 لاکھ سے زیادہ ختم نبوت کے پروانوں نے اپنے آقا ﷺ کے ناموس کی حفاظت کے عزم کے لیے کانفرنس میں شرکت کی۔ یہ احرار کا قادیان میں فاتحانہ داخلہ تھا۔ ہندوستان کے نامور علماء کرام اور مشائخ عظام کی بڑی تعداد ختم نبوت کانفرنس میں شریک ہوئی۔ جن میں مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد علی لاہوری، حضرت خواجہ فضل علی قریشی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا ظفر علی خان، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، صاحبزادہ سید فیض الحسن، مفتی عبدالرحیم پوپلزئی، مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری رحمہم اللہ تعالیٰ، سمیت احرار کے تمام مرکزی قائدین شامل تھے۔ کانفرنس حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی صدارت میں ہوئی۔ جس میں آپ نے تاریخی تقریر فرمائی۔

مجلس احرار اسلام کے قادیان میں فاتحانہ داخلے اور ختم نبوت کانفرنس کی تاریخی کامیابی نے مسلمانانِ ہند کے اذہان وقلوب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ کانفرنس کا ایک منفرد نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو قادیانیوں کے کفریہ عقائد سے ناواقفیت کی بناء پر اُنہیں مسلمانوں میں شامل سمجھتے تھے اور مسئلہ ختم نبوت کو محض ''احراری، احمدی تنازع'' اور مسلم گروہوں کا فرقہ وارانہ جھگڑا خیال کرتے تھے، مقررین کے مضبوط دلائل سے متاثر ہوئے، نیز تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں کو ایک ہی سٹیج پر براجمان اور ختم نبوت کے یک نکاتی ایجنڈے پر متحد دیکھ کر قادیانیت کے خلاف اُن کے عقائد میں مزید پختگی پیدا ہوگئی۔ بالخصوص جدید تعلیم یافتہ مسلمان قادیانیوں کی سازشوں سے باخبر ہو گئے۔ جبکہ قادیان کے مسلمانوں کو بہت حوصلہ ملا کہ اب قادیانیوں کے خلاف سینہ سپر ہونے میں سارا ہندوستانی مسلمان اُن کا پشت پناہ ہے۔ دوسری طرف قادیانی

فرعونیت کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور احرار کے قادیان میں فاتحانہ داخلے سے قادیانیوں پر یہ واضح ہو گیا کہ ظلم و دھونس سے مقامی مسلمان آبادی کو مزید دبائے رکھنا ممکن نہیں رہا، کیونکہ اب قادیانیوں کے مقابلے میں قادیان کے نہتے اور مظلوم مسلمان ہی نہیں، بلکہ مجلس احرار اسلام جیسی ملک گیر دائرۂ عمل اور تنظیم رکھنے والی جماعت آ چکی تھی۔ جس کے مقابل آنا اب قادیانیوں کے لیے لوہے کے چنے چبانے کے مترادف تھا۔

غرض یہ کہ قادیان میں احرار کے فاتحانہ داخلے، ختم نبوت کانفرنس کے انعقاد اور بعد میں مجلس احرار کے زیر انتظام مرحلہ وار مسجد ختم نبوت اور مدرسہ جامعہ محمدیہ کی تعمیر اور قادیان کے غریبوں کے لیے دیسی کھڈیوں اور سکول کے قیام وغیرہ جیسے اقدامات سے وہاں کے مسلمان، قادیانیوں کے مقابلے میں مضبوط ہوتے گئے اور قادیانیت کا مکروہ چہرہ انصاف پسند حلقوں پر مزید واضح ہوتا گیا۔ قادیانیت کے بے نقاب ہونے سے مسلمانوں کے تمام طبقات بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقے پر قادیانیت کے اصل خدوخال واضح ہوئے اور اُس کے نتیجہ میں علامہ اقبالؒ جیسی عظیم قومی شخصیت کے قلم سے قادیانیوں کے خلاف مضامین نکلے۔ جن کی بدولت قادیانیت کی اصل تصویر سب پر آشکار ہوتی چلی گئی۔ جانگسل جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کے تسلسل کے بعد بالآخر 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے قادیانیوں کے کفر و ارتداد کے بارے میں قرآن و حدیث کے فیصلے کی توثیق کر دی اور بالاتفاق اُنہیں آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، جو دراصل قادیان سے شروع ہونے والی مسلمانوں کی اس بے مثال تاریخی جدوجہد کا منطقی نتیجہ تھا۔ درحقیقت اخلاص اور ایمانی غیرت سے آغاز پانے والے اقدامات ایسے ہی شاندار نتائج اور دُور رَس اثرات سے ہم کنار ہُوا کرتے ہیں۔

found.

احرار اور تحریکِ کپور تھلا (۱۹۳۳ء) (آخری قسط)

ماسٹر تاج الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ

اب میں سمجھا کہ جرنیلی سڑک ''ڈِھلواں'' سے جانب جنوب واقع ہے اور میں شمال کی جانب چلا آیا ہوں، جس پنجرے سے نکل کر آیا تھا اسی کی طرف واپس آنا پڑا۔ جوں جوں آبادی قریب آ رہی تھی، گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا، اس حد تک کہ مجھے اپنے دل کی دھڑکن تک سنائی دیتی تھی۔ آبادی کے باہر ایک چھوٹا سا تکیہ تھا جس کے گرد کانٹوں کی باڑ تھی، میں تکیہ کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ دھونی سلگ رہی ہے، آگ جل رہی ہے اور چند بے فکرے رات کے سناٹے کو حقے کی گُڑ گُڑ سے توڑ رہے ہیں ؎

بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

میں اس باڑ کے گرد اندر جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگا، جب ناکامی ہوئی تو میں نے حوصلہ کر کے دونوں ہاتھ باڑ کے اندر ڈال کر کانٹوں کو پرے ہٹا دیا اور ہمت کر کے باڑ سے پار ہو کر تکیے کے صحن میں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر ایک حقے باز نے للکارا: تم کون ہو؟ میں نے آگے بڑھ کر السلام علیکم کہا اور جرنیلی سڑک کا اتا پتا دریافت کیا، وہ مجھے راستے کے متعلق معلومات پہنچانے لگے، میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اطمینان کے لیے میں نے مطلب کا ذکر بڑی احتیاط سے چھیڑا، یہ لوگ پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے، دبی دبی آواز میں کہنے لگے: کیا پوچھتے ہو، چند چودھریوں کو بُولَتھ کے جلسے سے پکڑ لائے ہیں، بڑی بے عزتی کی ہے۔ بے چاروں کو حوالات میں بند کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، جنج گھر میں بند کر کے پہرہ لگا دیا ہے، بڑا ظلم ہو رہا ہے ریاست میں، ہم غریب آدمی کیا کر سکتے ہیں؟ ان لوگوں کی باتوں سے مجھے ایک گونہ تسلی ہوگئی کہ ابھی تک میرے پہرہ دار سو رہے ہیں۔ میرے وہاں سے نکل آنے کی کسی کو خبر نہیں ہے، بیدار ہو گئے ہوتے تو گاؤں بھر میں ہنگامہ بپا ہو جاتا۔ ان تکیہ والوں کے پاس ایک پرانی سی مدھم روشنی کی لالٹین تھی، میں نے انھیں کہا کہ ایک آدمی کو لالٹین دے کر میرے ہمراہ کر دو جو مجھے جرنیلی سڑک کے قریب چھوڑ آئے۔ غریب لوگوں میں بے مُزد خدمت کرنے کا کتنا پاکیزہ جذبہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے لالٹین دے کر ایک نوجوان رہبر سے کہا کہ باہر کے راستے سے چلو، ہم ایک فرلانگ چلے ہوں گے کہ کافی دور سڑک پر سے ایک موٹر گزری جس کی روشنی مجھے بہت بھلی معلوم ہوئی، اب میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے اپنے رہبر سے کہا تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے، میں تم کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ جن لوگوں کو پولیس والے بُولَتھ کے جلسے سے پکڑ کر لائے ہیں میں اُن میں سے ایک ہوں، تم مجھے سڑک کی بجائے ایسے راستے پر ڈال دو کہ میں گاؤں سے زیادہ دور ہو جاؤں اور جرنیلی سڑک بھی مجھ سے دور نہ رہے۔ نوجوان میری بات سن کر گھبرا گیا، میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ میں تو جا ہی رہا ہوں، تمھیں کاہے کا ڈر ہے، میں نے محسوس کیا کہ میرا نوجوان رہبر اب خوشی سے آگے چلنے کے لیے راضی نہ تھا۔

میں نے حقیقت حال بیان کرنے کے بعد نوجوان سے کہا کہ لالٹین بجھا دو، اس کی روشنی ہم کو پکڑوا دے گی، لالٹین بجھا دی گئی۔ اب چاروں کھونٹ اندھیرا ہی اندھیرا تھا، نوجوان الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

میں اکیلا جرنیلی سڑک کے رخ کھیتوں میں سے چلا جا رہا تھا۔ ان کھیتوں میں تازہ تازہ ہل چلایا گیا تھا، مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے قدم قدم پر آڑے آ رہے تھے، بھوکا پیاسا، تھکا ہارا، جسم چُور، رات کی تاریکی، دشمن کی آمد کا کھٹکا، قدم کہیں رکھتا ہوں پڑتا کہیں ہے۔ اب مجھے یہ اندازہ نہیں رہا تھا کہ میں سیدھی سمت جا رہا ہوں یا اپنی راہ سے بھٹک گیا ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے رُک گیا کیونکہ بظاہر کوئی فوری خطرہ موجود نہ تھا میں انتظار کرنے لگا کہ کوئی لاری یا ٹرک گزرے تو جرنیلی سڑک کا پتا چلے کدھر ہے، کتنی دُور رہ گئی ہے، گاؤں میں سے گزر کر آتا تو راستہ سیدھا اور صاف تھا۔ تھا بھی مختصر میں تو مگر چکر کاٹ آ رہا تھا، کچھ عرصہ بعد اچانک ایک کار گزری تو مجھے معلوم ہو گیا کہ سڑک بالکل قریب ہے۔ ہمت سے کام لے کر سڑک کی جانب قدم بڑھایا مگر حالت یہ تھی کہ پاؤں ڈگمگا رہے تھے اور میں گرا پڑا تھا، جوں توں کر کے میں سڑک سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچ گیا، اتنے میں لاہور کی جانب سے ایک اور موٹر تیزی سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ میں نشیب میں تھا، پاؤں بوجھل ہو چکے تھے۔ ہمت سے کام لیا اور سڑک پر آ گیا۔ موٹر والوں کو ہاتھ دیا مگر وہ تیزی سے گزر گئی، مجھے اس قدر افسوس ہوا کہ دل بیٹھ گیا۔ خدایا! اس کا پہیہ پنکچر ہو جاتا یا کچھ اور ہو جاتا کہ رک جاتا۔ ٹھنڈا سانس بھر کر نظر اٹھا کر دیکھا کہ وہی موٹر کچھ فاصلے پر بریک لگا کر رکی، پھر آہستہ آہستہ واپس مڑی۔

میں نے دل میں کہا کتنے شریف لوگ ہیں اس موٹر والے، کسی انجانے مسافر کے لیے کون اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ اس طرح رات کے وقت کون اپنا سفر کھوٹا کرتا ہے۔ موٹر میری جانب چل کر مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر آ کر رکی، رائفلیں تھامے اس میں سے چند سپاہی کود کر میری طرف جھپٹے اور للکارا: یہی ہے پکڑ لو اور میری حماقت ملاحظہ ہو کہ میں نے خود ہی ہاتھ دکھا کر انھیں کہا آ بیل مجھے مار۔ پھر کیا تھا ''وہ بہادر سورما'' مجھے بندوقوں کے کندوں سے مارنے لگے۔ میں بے ہوش گیا اس کے بعد مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔

مجھے جب ہوش آیا تو میں ایک کشادہ کمرے میں کھڑا تھا۔ ایک سپاہی نے مجھے دائیں سے اور دوسرے نے بائیں سے پکڑ رکھا تھا۔ سامنے نواری پلنگ پر ننگے سر سکھ مجسٹریٹ بیٹھا ہوا تھا۔ اب میرے حواس درست ہو چکے تھے، میں فوراً سمجھ گیا کہ جب مجھے مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا تو پولیس مجھے موٹر میں ڈال کر مجسٹریٹ کے بنگلے پر لے آئی ہے اور میں اب ان ظالموں کی حراست میں ہوں۔ اسی کمرے میں ایک سپاہی نے مجھے گالی دے کر کہا کہ اس شخص نے ہمیں سخت پریشان کیا ہے، میں نے سپاہی سے تو کچھ نہیں کہا البتہ مجسٹریٹ کو مخاطب ہو کر کہا کہ سردار صاحب میں ان لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ یہ مجھے جتنا چاہیں ماریں پیٹیں مگر یہ بات آپ بھی سن لیں کہ اب مجھے گالی دی گئی تو میں معاف نہیں کروں گا۔ سردار صاحب نے سپاہی کو ڈانٹا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے آپ بغیر اطلاع کیے رات کو کدھر چل دیے تھے؟ میں نے جواب دیا کہ میں قیدی تو نہیں تھا، دل گھبرایا، اٹھ کر لاہور پہنچنے کا بندوبست کر رہا تھا۔ آپ نے مجھے یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں

آپ کی حراست میں ہوں، اب فرمایئے کہ صورتِ حال کیا ہے، کیا میں حراست میں ہوں؟ سردار صاحب نے کہا ہاں۔ میں نے فوراً مطالبہ کیا کہ پھر آپ مجھے حوالات میں بھیج دیں، تب سردار صاحب نے سپاہیوں سے کہا کہ انھیں تھانے میں لے جا کر حفاظت سے رکھو مگر دیکھو کسی قسم کی بکواس نہ کرنا۔ چنانچہ پولیس کے سپاہی مجھے تھانے میں لے آئے، دروازے میں داخل ہوتے ہی حوالات تھی۔ میرے چاروں ساتھی جو جنج گھر میں زیرِ حراست تھے تھانے کی حوالات میں پہنچ چکے تھے۔ مجھے احاطے میں لے جا کر ایک سپاہی کی خالی کوٹھڑی میں جس میں بستر کے بغیر ایک خالی چارپائی کے سوا اور کچھ نہ تھا بند کر کے باہر سے دروازے کو تالا لگا دیا گیا۔ چوٹیں درد کر رہی تھیں، رات بھر کی پریشانی اور مصیبت نے مجھے نڈھال کر رکھا تھا، سردی محسوس ہو رہی تھی خالی چارپائی پر لیٹ تو گیا مگر نیند کہاں؟

برے پھنسے:

صبح ہونے کو تھی میں نے اٹھ کر دروازہ کھٹکھٹایا، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ نمازِ فجر کا وقت تنگ ہو رہا تھا، میں نے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، مسلسل جدوجہد ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ بالآخر پہرہ دار نے صبح سویرے گالی دے کر مجھ سے دروازہ کھٹکھٹانے کی وجہ دریافت کی، میں نے مدعا بیان کیا، پہرہ دار انکار کر کے چلا گیا۔ مجھے بھی غصہ آ گیا، اب دروازہ تھا اور میں، میرے بازوؤں کی مسلسل کوشش کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہو، دروازہ کھل گیا۔ تھانے کے صحن میں ایک کنواں تھا، جس پر ایک شخص نہا رہا تھا۔ یہ نہانے والا تھا تو سپاہی مگر شریف آدمی تھا، اس نے پانی کا لوٹا بھر دیا، میں نے جلدی جلدی وضو کیا، نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ قریب کے کمرے تقریباً خالی پڑے ہیں۔ تھانیدار اور سپاہی سیر سپاٹے یا رفع حاجت کے لیے باہر جا چکے ہیں۔ دو ایک صحن ہی میں داتن (مسواک) منہ میں دبائے پھر رہے ہیں، اپنی کوٹھڑی کی بجائے میں نے تھانیدار کے کمرے کا رخ کیا تو پہرہ دار نے گرج کر مجھے کہا کہ کدھر منہ اٹھایا ہے؟ میں نے سنی ان سنی کر دی۔ میں نے تھانیدار کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا، چٹخنی لگائی اور تھانیدار کے نرم و گداز بستر پر دراز ہو گیا۔ تھانے والے گالیاں بکتے رہے، دروازہ کھٹکھٹاتے رہے، مگر میں نے صرف اتنا کہا کہ سو کر اٹھوں گا تو دروازہ کھولوں گا۔ دس بجے کے قریب اٹھا، دروازہ کھولا، تھانیدار موجود نہ تھا، البتہ ہندو ہیڈ کانسٹیبل اور چند سپاہی موجود تھے۔ دروازہ کھلتے ہی وہ سب میری طرف متوجہ ہوئے، گالیوں سے استقبال کرنے کے بعد میری طرف بڑھے، مگر ہیڈ کانسٹیبل کو خدا جانے کیا ہوا، اس نے سپاہیوں سے کہا، ٹھہر جاؤ، مجھے بات کر لینے دو۔ وہ مجھے بازو سے پکڑ کر ایک اور کوٹھڑی میں لے آیا، مجھے اندر بٹھا کر کوٹھڑی کو باہر سے مقفّل کر دیا۔ مجھے خیال تھا کہ یہ لوگ مار پیٹ کریں گے، مگر خیریت گزری، ایک ملزم کا تھانیدار کے بستر پر سو جانا بہت بڑا جرم ہے، خیال آیا کہ سزا تو ضرور ملے گی۔ بہرحال یہ جرم تو مجھ سے سرزد ہو ہی چکا تھا، دل نے کہا جو ہو گا دیکھا جائے گا ؎

ڈاکا تو نہیں ڈالا چوری تو نہیں کی ہے

دوپہر کو میری کوٹھڑی کا قفل کھولا یا، دروازہ کھلا تو وہی چوکیدار، جس کی تحویل میں مجھے جنج گھر میں رکھا گیا تھا، ایک تھالی میں روٹی اور کٹوری میں دال لے کر ہیڈ کانسٹیبل کے ہمراہ آ موجود ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا واہ میاں جی واہ،

رات کہاں چلے گئے تھے؟ آپ نے تو ہماری بے عزتی کرادی۔ ہیڈ کانسٹیبل نے چوکیدار کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا بک بک مت کرو، روٹی رکھ دو اور دوڑ و یہاں سے۔ چوکیدار کھسیانا ہو کر واپس چلا گیا، اب میں تھا اور ہیڈ کانسٹیبل، باقی سپاہی یا تو اپنے کمروں میں تھے یا ڈیوٹی پر گئے تھے۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا ماسٹر جی میں آپ کو جانتا ہوں، میں نے لدھیانہ ٹاؤن ہال میں آپ کی متعدد تقریریں سنی ہیں، مجھے آپ سے عقیدت ہے۔ رات جب آپ کو لایا گیا تو میں ڈیوٹی آف تھا، صبح جو آپ کو دیکھا تو میں نے بمشکل اپنی طبیعت پر قابو پایا اور خود کو سنبھالے رکھا، تھانیدار اپنا خاص آدمی ہے، وہ آج ضلع کچہری میں پیشی پر گیا ہے۔ واپس آئے گا تو میں اسے ایسا ٹھنڈا کروں گا کہ آپ سے بات بھی نہ کرے گا۔ مجھے ہیڈ کانسٹیبل نے کھانے کھانے کے لیے کہا، میں نے انکار کر دیا۔ اس شریف آدمی نے کہا کہ وہ اپنے گھر سے کھانا منگوا دے گا، پھر سپاہی کو آواز دی کہ کھانا اٹھالو، یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ اب مجھے پھر اسی کوٹھڑی میں مقفّل کر دیا گیا۔ دو چار دن یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ اب نہ مجھے سے کوئی بات کرتا تھا اور نہ مجھے کسی سے سروکار تھا، ہیڈ محرر اپنے گھر سے کھانا بھجواتا رہا، اب میں اسی کا مہمان تھا۔ چار دن کے بعد علی الصبح کیا دیکھتا ہوں کہ تھانے میں خاص طور پر صفائی ہو رہی ہے، بہشتی صحن میں پانی چھڑک رہے ہیں، عمدہ کرسیاں اور میزیں بچھائی جا رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد مجسٹریٹ مع اپنے عملے کے تشریف لے آئے، سپاہی اپنی وردیاں ٹھیک ٹھاک کر کے اٹینشن ہو کر کھڑے ہو گئے۔ میری کوٹھڑی کو کھولا گیا، مجھے وہاں سے نکال کر سامنے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا، میں نے سمجھا کوئی بڑا آدمی آ رہا ہے۔ کون آ رہا ہے؟ تجسس پیدا ہوا، میں نے دروازہ کے سوراخ میں سے دیکھا، باہر کوئی بھی نیا آدمی یا بڑا حاکم نہ تھا۔ مجسٹریٹ بار بار ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا اور کوٹ کے بٹن دست کرنے میں مصروف تھا، تب مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی بہت ہی بڑا حاکم آنے والا ہے۔ میرے کمرے کے سامنے جہاں میز اور کرسیاں بچھائی گئی تیں، ایک نفیس آرام دہ کرسی بچھا دی گئی۔ تھوڑی دیر بعد موٹر کا ہارن سنائی دیا، پولیس والے چوکنے ہوئے، مجسٹریٹ نے ڈیوڑھی کی طرف رخ کیا۔ وہ غالباً ڈیوڑھی پر افسر اعلیٰ کے استقبال کے لیے پہنچ گیا تھا، چند منٹ بعد قائم مقام چیف منسٹر صاحب تشریف لائے، ماتحت افسران ان کے ہمراہ تھے، چونکہ آرام کرسی صحن میں میرے کمرے کے متصل بچھی ہوئی تھی۔ مجھے دروازے کے سوراخ میں سے سب کچھ نمایاں نظر آ رہا تھا، میں ان کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ قائم مقام چیف منسٹر مجھے بہت اچھی طرح جانتے تھے، وہ بہت بھلے آدمی تھے۔ دراصل وہ چیف جج تھے، جو چیف منسٹر کی عدم موجودگی میں قائم مقام چیف منسٹر کی ڈیوٹی ادا کر رہے تھے۔ وہ مہاراجہ کے وفادار تھے اور برطانوی اثر ورسوخ کا ان پر کچھ اثر نہ تھا۔ ان کی اپنی پارٹی تھی جس کا چیف منسٹر کی جابرانہ پالیسی سے اختلاف تھا۔ صحن میں دربار لگ گیا، اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، بالآخر میرا ذکر بھی آ گیا، مجسٹریٹ نے مختصراً واقعہ بیان کیا، اس کے بعد پولیس پارٹی جس نے مجھے پکڑا، مارا اور بے ہوش کر دیا تھا، پیش ہوئی۔ پولیس والوں نے فخریہ بیان کیا کہ حضور! ہم نے اس ملزم کو ایسی سزا دی ہے کہ وہ اپنی سات پشتوں کو وصیت کر جائے گا کہ ریاست کپورتھلا کی حدود کے اندر کبھی قدم رکھنے کی جرأت نہ کرنا۔ جب پولیس والے اپنی شاندار کارکردگی بیان کر چکے تو چیف منسٹر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ملزم کو ہمارے سامنے لاؤ۔ اب تھانیدار میرے کمرے

کی طرف آیا، میں نے اندر سے چٹخنی لگا لی، پہلے تو اس نے رعب جما کر کہا ''او مولویا! بوہا کھول''۔ میں خاموش رہا، کوئی جواب نہ دیا، پھر اس نے ذرا زور سے کہا تو میں نے بے اعتنائی سے جواب دیا'' بھی اس وقت میں آرام کر رہا ہوں''۔ تھانیدار خفا ہو کر بولا، آرام کے بچے! ریاست کے سب سے بڑے حاکم آئے ہوئے ہیں، تمھیں ان کے سامنے پیش کرنا ہے۔ میں اب مطمئن تھا، مجھے مذاق سوجھنے لگا، اسی انداز میں، مَیں نے پھر کہا'' تھانیدار صاحب! انھیں کہہ دو کل آئیں''۔ غرضیکہ پانچ سات منٹ بم چخ ہوتی رہی۔ میں نے دروازہ کھولا، تھانیدار لال پیلا ہو رہا تھا۔ چیف منسٹر جس آرام کرسی پر بیٹھے تھے، میری طرف اس کرسی کی پشت تھی، مجھے پکڑ کر جب ان کے سامنے لایا گیا تو ایک دم گھبرا گئے اور اسی گھبراہٹ میں مجسٹریٹ وغیرہ کو کہنے لگے ظالمو! تم نے یہ کیا ظلم کیا ہے اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے، ماسٹر صاحب ہمارا اس میں کیا قصور ہے؟ اس شریف انسان نے مجھے مخاطب ہوتے ہوئے معذرت شروع کر دی۔ گھبراہٹ میں چیف صاحب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ ماتحت افسران سامنے موجود ہیں۔ جب انھیں اپنے ماتحت ساتھیوں کی موجودگی کا خیال آیا تو سب کو ڈانٹ پلائی اور حکم دیا کہ سب چلے جاؤ، دور ہو جاؤ میری آنکھوں سے۔ اس کے بعد مجھے پاس ہی کرسی پر بٹھا کر کہنا شروع کیا، آپ یہاں کیوں چلے آئے؟ آنا ہی تھا تو مجھے اطلاع کر دی ہوتی، آپ کے ساتھ یہ بدسلوکی؟ مجھے بے حد ندامت محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے کہا سردار صاحب چھوڑیے اس قصے کو، ایسا بھی ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، وہ فرمانے لگے: میں آگے دیہات کے دورے پر جا رہا ہوں، شام کو واپسی پر اپنی موٹر میں آپ کو جالندھر چھوڑ آؤں گا۔ آپ اتنی دیر یہاں آرام فرمائیں، چنانچہ چیف منسٹر صاحب دورے پر تشریف لے گئے اور میں اب ملزم نہ تھا بلکہ معزز مہمان تھا۔ یہاں کا مجسٹریٹ، دیوان سر عبدالحمید چیف منسٹر کی پارٹی سے منسلک تھا، یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی صبح دیوان سر عبدالحمید چیف منسٹر ولایت سے واپس تشریف لائے۔ مجھے گمان ہے کہ مجسٹریٹ بھی جان گیا تھا کہ اس نے کس ملزم کو پکڑا ہے اور اس سے کیا سلوک کیا، مگر میں ریاست کے اندرونی پالیٹکس سے زیادہ باخبر نہ تھا۔ گمان غالب ہے کہ مجسٹریٹ نے دیوان سر عبدالحمید چیف منسٹر کپورتھلا کو فوراً صورتِ حال سے خبردار کر دیا ہوگا۔ شام کے وقت چیف جج صاحب واپس تشریف لائے، میں تھانے سے باہر آ گیا۔ چیف صاحب نے مجھے اپنی موٹر میں بٹھایا اور موٹر جرنیلی سڑک کی جانب چل پڑی۔ جب کچا راستہ ختم ہوا اور جرنیلی سڑک سامنے نظر آئی تو مجھے اس رات کا خوفناک منظر یاد آ گیا۔ میرے لیے یہ جگہ منحوس ثابت ہوئی، ہماری موٹر سڑک پر اس جگہ پہنچی ہی تھی کہ سامنے سے ایک سرکاری موٹر آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس پر ریاست کپورتھلا کا نشان لہرا رہا تھا، میرا دل بیٹھنے لگا، میں نے سمجھ لیا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں ؎

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

موٹر میں سے سرکاری قاصد نکلا، چیف صاحب اپنی موٹر سے نکلے، میں موٹر ہی میں بیٹھا رہا۔ انھیں ایک سرکاری بند لفافہ سپرد کیا گیا، لفافہ کھول کر پڑھتے ہوئے چیف صاحب کا چہرہ غمّازی کرنے لگا، میں سمجھ گیا کہ دال میں کالا ہے۔ لفافہ جیب میں ڈال کر وہ آہستہ آہستہ موٹر کی طرف آئے، مجھے کہنے لگے: گھبرانے کی بات نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔

میں فوراً بھانپ گیا کہ دیوان سر عبدالحمید کا حکم نامہ ہے، مجھے حراست ہی میں رکھا جائے گا۔ چنانچہ چیف صاحب مجھے تھانے میں واپس لے آئے، تھانیدار کو بلا کر کہا کہ انھیں عزت واحترام سے رکھنا، کھانے وغیرہ کی تکلیف نہ ہو، ہم جلد واپس آئیں گے۔ وہ مجھے تھانے میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ امید بندھ کر ٹوٹ جائے تو حوصلہ بھی ٹوٹتا ہے۔ قارئین کرام جب سرگزشت لکھنے بیٹھا تو حافظہ پوری طرح ساتھ نہیں دے رہا تھا اور اب یہ صورت ہے کہ گزرے ہوئے واقعات فلمی ریل کی طرح سامنے آ رہے ہیں۔ ایک ایک بات یاد آ رہی ہے اور میں اس وقت ایسے محسوس کر رہا ہوں، جیسے واقعی مخالفین کے نرغے میں پھنسا ہوں اور نجات اور چھٹکارے کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ رہائی کے بعد جب میں نے لاہور پہنچ کر یہ سارا واقعہ چودھری افضل حقؒ کو سنایا تو وہ سنتے سنتے بے تابی سے پوچھنے لگے: اچھا پھر کیا ہوا، ہاں تو پھر کیا ہوا۔ شاید اُن کی اس قسم کی بے تابی اس لیے تھی کہ میں ان کا فرماں بردار اور قابلِ اعتماد رفیق تھا، مجھے اپنے محبوب رہنما سے بے پناہ عقیدت تھی اور وہ بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

پھر کیا ہوا؟

اب میں پھر اسی تھانے میں نظر بند تھا۔ دن جوں توں کر کے گزرتے گئے، ریاستی سربراہوں کا دماغ میری تقدیر کی طرح چکر میں تھا، ابھی تک وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچے تھے۔ خدا جانے وہ اتنے دن کیا سوچتے رہے؟ مجھ سے بات کرنے کے لیے آتے تو میں کچھ سمجھ لیتا، خاموش بیٹھا قیاس آرائیاں کرتا رہا۔ بالآخر ایک روز اچانک بغیر کسی اطلاع کے خنداں وشاداں چیف صاحب تھانے میں تشریف لائے، میں نے اٹھ کر مصافحہ کیا، افسران پہلے سے موجود تھے۔ مجسٹریٹ صاحب پیش پیش تھے، چیف صاحب نے ان سب کو رخصت کر دیا۔ چیف صاحب نے اپنے اردلی کو حکم دیا، موٹر میں سے سب سامان اٹھالاؤ۔ مٹھائی کی ایک ٹوکری کے علاوہ سفید رومال میں خاص قسم کے بسکٹوں کے ڈبے، چائے کی دو تین پرچ پیالیاں اور چائے کا بھرا ہوا ایک تھرماس تھا، میز آ گئی۔ چائے کا سامان قرینے سے میز پر لگا دیا گیا۔ چیف صاحب مجھے فرمانے لگے: لیجیے مٹھائی کھائیے اور چائے پی کر میرے ساتھ چلیے، میں نے پوچھا کہاں؟ اجی گھر چلیے نا، آپ کو رہا کر دیا گیا ہے۔ بات یہ ہوئی کہ ٹکّا صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے، اسی خوشی میں قیدی چھوڑے گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں آپ کی رہائی کا حکم بھی ہو گیا ہے۔ میں نے معاملہ کو فوراً سمجھ لیا کہ انگریز نے ہندوستانی افسروں کے دماغ اپنے سانچے میں ڈھال لیے ہیں، اپنے مخالف کو قید خانے میں بند رکھنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ مَرَن دن جنم دن اور اسی قسم کے حیلے بہانوں سے قیدی کو چھوڑا جاتا ہے۔ اب مجھے یہ تو اطمینان تھا کہ ریاستی حکام گھبرا چکے ہیں، ریاست میں ہلچل ہے۔ ریاست سے باہر بھی ہنگامے بپا ہونے کا خدشہ ہے، ان حالات نے حکامِ ریاست کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ مجھے فوراً رہا کر دیں۔ مجھے یہ تو اطمینان تھا کہ بندِ سلاسل ٹوٹ چکے ہیں، میں پھر دُسہرے کا نیل کنٹھ کیوں بنوں؟ مجھے حقیقت کے ترازو میں صحیح اوزان سے تُلنا چاہیے۔

میں نے چیف صاحب صاحب سے کہا: سردار صاحب اخلاقی قیدی ان رعایتوں کے مستحق ہیں۔ میری پارٹی اور آپ کی ریاست دو متحارب طاقتیں ہیں، جنگ جاری ہے، جب تک تصفیہ نہ ہو جائے نہ آپ مجھے چھوڑ سکتے ہیں نہ میں رہا ہو

کر جا سکتا ہوں۔ سیاسی قیدیوں کو بری عادت نہ ڈالیے کہ جیل میں قید ہوں تو محل کی طرف کان لگائے رکھیں کہ کب رانی صاحبہ بچہ جنیں، کب شہنائی بجے اور قیدیوں کی بند خلاصی ہو، میری جگہ کسی اور کو رہا کر کے گنتی پوری کر لیجیے۔ جھگڑا تو چل ہی رہا ہے، آپ مجھے پھر پکڑیں گے، اس رہائی کا فائدہ؟ سردار صاحب زیادہ گہرے آدمی نہ تھے، بہت صاف دل اور شریف النفس انسان تھے، وہ اصل فیصلے کو چھپا نہ سکا۔ حقیقت یہ تھی کہ بُولتھ کے ہنگامے کے بعد ریاست کے کونے کونے میں بے چینی پھیل گئی، ریاستی حکام کا درجہ حرارت جتنی جلدی اوپر چڑھتا ہے اسی قدر عجلت سے نیچے اتر آتا ہے۔ مجھے رہا کر دینے کا فیصلہ سردار صاحب نے اپنی ذمہ داری پر کیا تھا، انھیں یقین تھا کہ چودھری عبدالعزیز بیگووالوی کو بحالات موجودہ مزید مدت کے لیے جیل میں بند رکھنا، آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے، ان کی رہائی سے قبل میرا رہا ہونا اور بھی ضروری تھا۔ ان کی رائے میں چودھری عبدالعزیز کے بعد دوسرا شخص میں تھا جو ریاست کے قضیّہ کو بہ احسن وجوہ نپٹا سکتا تھا، چنانچہ ریاستی ذمہ دار حکامِ بالا کی میٹنگ میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور سازگار فضا میں ریاستی قضیہ کا حل تلاش کر لیا جائے۔ چائے کی میز پر سردار صاحب نے کسی ایچ پیچ کے بغیر اندر کی ساری بات میرے سامنے رکھ دی، حقیقت کھل کر میرے سامنے آ گئی تو میں نے سردار صاحب سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اپنے مرکزی رہنما سے تبادُلِ خیال کیے بغیر میں کسی رائے کا اظہار نہیں کر سکتا۔ سردار صاحب نے آخری مطالبہ مجھ سے یہ کیا کہ میں چیف منسٹر دیوان سر عبدالحمید سے بات کر لوں، میں نے انھیں ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ سردار صاحب اگر اس مطالبے پر اڑ جاتے تو شاید میں ملاقات کرنے پر طوعاً و کرہاً رضامند ہو ہی جاتا، مگر وہ شریف انسان مجھے فوراً رہا کر دینے کے لیے بے تاب تھا۔ چنانچہ سردار صاحب نے میرے ہاتھ پکڑا، مجھے اپنے ہمراہ لیا اور یہ کہتے ہوئے موٹر کی جانب قدم بڑھایا، آیے ماسٹر صاحب! آپ کو جالندھر چھوڑ آؤں۔ موٹر کچے راستے کو طے کر کے جب جرنیلی سڑک کے موڑ پر پہنچی تو میں نے سردار صاحب سے ازارہِ مذاق کہا، سردار صاحب! ٹھہریے، میں حسبی اللہ پڑھ لوں، خطرناک مقام آ گیا ہے۔ کہیں سرکاری موٹر میں کوئی شخص آپ کے نام بند لفافہ لے کر نہ آ جائے۔ سردار صاحب میری بات سن کر ہنس دیے، اس طرح غپ شپ کرتے ہوئے ہم جالندھر پہنچ گئے۔ دفتر میں پہنچا تو جالندھر شہر کے احرار کا جمگھٹا ہو گیا۔ کہاں چلے گئے تھے؟ اخبار کا بندوبست نہیں کیا اور نہ جاتے وقت بتایا کہ کہاں جانا ہے، لاہور یا لدھیانے؟ سوالات کی بوچھاڑ تھی، میں خاموشی سے سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔ میں نے ان سب احباب سے صرف اتنا کہا کہ آج رات آپ کے پاس آرام کروں گا، صبح لاہور چلا جاؤں گا۔ میں ریاست کے اندر بتا کر گیا تھا، آج سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں، مجھ پر کیا گزری؟ سنو گے تو مزہ آ جائے گا۔ علی الصبح میں لاہور کے لیے روانہ ہو گیا۔ اپنے مقتدر رہنما چودھری افضل حق سے ملاقات ہوئی، کپور تھلا ایجی ٹیشن کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ چودھری صاحب سے مُبادلۂ خیال کے بعد میں لاہور سے جالندھر چلا آیا۔

فیصلہ کن مرحلہ:

فریق مخالف پر یشانی میں مبتلا ہو جائے تو اسے سنبھلنے کا موقع نہ دینا چاہیے۔ بولتھ (ریاست کپورتھلا) کے علاقہ میں عوام بیدار ہو چکے تھے۔ مسلمانوں میں وزیراعظم کے خلاف اچھی خاصی نفرت موجود تھی۔ چودھری عبدالعزیز بیگووالوی

کا خاندان ریاست کپورتھلا کا معزز ترین بااثر خاندان تھا۔ لوگوں کے دلوں میں سارے خاندان کے لیے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی، مگر میرے راستے میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وزیراعظم سرعبدالحمید صاحب خیر سے مسلمان تھے، صاحب اقتدار اور صاحبِ ثروت بھی تھے، سرکار دربار میں ان کا کافی رسوخ تھا۔ ہر ریاست میں ذمہ دار عہدے پر برطانوی سامراج اپنے خاص مہرے بٹھا کر ان کی پشتی بانی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا، چنانچہ وزیراعظم کا قلعہ بہت زیادہ مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ وزیراعظم کے دماغ میں یہ خبط سوار تھا کہ اس ہندو ریاست میں قیام اور نوکری کے استحکام کی ایک ہی صورت ہے کہ ریاست کے کسی بڑے سے بڑے مسلمان کو ابھرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ چودھری عبدالعزیز کا خاندان چونکہ ریات کپورتھلا میں سربرآوردہ، معزز اور انتہائی اثر ورسوخ کا مالک تھا، نیز چودھری عبدالعزیز نے خدمتِ خلق کا پرچم لہرا رکھا تھا۔ وہ مجلس احرار اسلام کی مجلس عاملہ کے رکن کی حیثیت سے صوبہ پنجاب میں بھی نمایاں شہرت حاصل کر چکے تھے، یہی خوبیاں مصیبت کا باعث بن گئیں۔

سرعبدالحمید نے چودھری عبدالعزیز کو اسی لیے تختۂ مشق ستم بنا رکھا تھا۔ اس معزز خاندان کی مظلومیت نے مسلمانانِ کپورتھلا کو خصوصاً اور مسلمانانِ پنجاب کو عموماً آتش زیرپا کر رکھا تھا، مگر ریاست کے ہندوؤں کی ہمدردیاں عام طور پر سرعبدالحمید وزیراعظم کپورتھلا کے ساتھ تھیں۔ اس لیے ہندو پریس مظلوم مسلمانانِ کپورتھلا سے ہمدردی کرنے کی بجائے سرعبدالحمید کا حامی و مددگار تھا۔ پنجاب کے مسلم پریس کو سرعبدالحمید نے اپنے مسلمان ہونے کا رونا رو کر ہموار کر رکھا تھا، مسلم پریس کو ہموار کرنے میں دوسرے عوامل بھی شامل تھے۔ غرضیکہ تحریک کپورتھلا حق بجانب ہونے کے باوجود، ہم اپنوں اور بیگانوں کی ہمدردیوں سے محروم تھے، خواص ہندو ہوں یا مسلمان، نوے فیصد سرعبدالحمید کے حق میں تھے۔ میرے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ میں پریشان حال مخالف کو اور زیادہ پریشانی میں مبتلا کر کے حق وانصاف کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دوں۔ میں نے جالندھر کے محاذ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ میرے ایک پرانے کانگرسی دوست سرے سے ریاستی نظام ہی کے خلاف تھے اور انھیں چودھری عبدالعزیز سے ہمدردی بھی تھی، اکثر میرے پاس آتے اور دو چار دن قیام بھی کرتے تھے، انھیں اخبار نویسی کا شوق تھا۔ میں نے انھیں کہا کہ میرا ہاتھ بٹاؤ، کچھ لکھا کرو اور ہو سکے تو نیا محاذ قائم کرنے میں مشورہ بھی دو۔ جب تک تحریک کسی انجام تک پہنچ نہیں جاتی، دفتر میں مستقل قیام کرو۔ وہ صاف دل ہندو تھے، کھانا میرے ساتھ دفتر ہی میں کھایا کرتے تھے، میں نے انھیں منا لیا۔ انسان جو بات مسلسل لکھتا ہے، اس کا اثر دل و دماغ پر زیادہ نہیں تو تھوڑا ضرور پڑتا ہے۔ دو تین ہفتے لکھنے کے بعد وہ اپنی تحریر کے نفسِ مضمون پر پختہ ہونے لگے، میں انھیں نئے محاذ پر پھگواڑے (ریاست کپورتھلا) لے گیا۔ میں مسلمانوں میں کام کرنے لگا اور اپنے دوست کو ہندوؤں کے ہاں بھیج دیا۔ آدمی ذہین تھا، ہفتہ عشرہ میں سرعبدالحمید کے خلاف فرنٹ کھل گیا، ریاست کے ساہوکاروں نے وزیراعظم کے خلاف ایک میٹنگ کی، پھر جلسہ ہوا اور اس کے بعد شکایات کا پلندہ کھل گیا، ریاست کے گوشے گوشے میں ہلچل شروع ہوئی۔ میں ریاست کپورتھلا کے اکثر علاقوں سے اچھا خاصہ واقف اور باخبر ہو گیا۔ اب اس ریاست کی نبضوں پر میرا ہاتھ تھا، مجھے صحیح

درجۂ حرارت سمجھ لینے میں کوئی مشکل درپیش نہ تھی۔ انھی دنوں مہاراجہ کپورتھلا ولایت سے واپس تشریف لے آئے، وہ سیر سپاٹے کے آدمی تھی۔ زیادہ وقت ولایت کی سیر وتفریح میں گزارنے کے عادی تھے، ریاست میں واپسی پر انھیں لیل ونہار بدلے ہوئے نظر آئے۔ سر عبدالحمید جو اُن کے چہیتے وزیر اعظم تھے، مہاراج کو مطمئن نہ کر سکے، اوپر کے دباؤ کے باوجود مہاراج، سر عبدالحمید کو علیحدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، مگر وہ سر عبدالحمید کو علیحدگی کا حکم دیتے ہوئے تذبذب میں مبتلا تھے۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ ایجی ٹیشن بند ہو جائے تو سر عبدالحمید کو علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے جب اس صورتِ حال کی اطلاع ملی تو میں نے خانقاہ امام ناصرؒ میں جلسوں کا تانتا باندھ دیا۔ ریاست کے اندر بھی تحریک زور پکڑنے لگی، چیف جج کو معلوم تھا کہ میں سر عبدالحمید سے گفتگو کرنے کے حق میں نہیں ہوں، وہ میرے پاس جالندھر میں تشریف لائے اور مجھے کپور تھلا لے جانے کے لیے زور دیتے رہے مگر میں جانتا تھا کہ میرا کپورتھلا جانا ہر طرح سے خسارہ کا سودا ہے، میں نے انکار کیا تو وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ دو دن بعد پھر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ وزیر اعظم صاحب لاہور پہنچ جائیں تو آپ ان سے لاہور میں ملاقات کر لیں گے؟ میں نے یہ کہتے ہوئے آمادگی کا اظہار کر دیا کہ وہاں چودھری افضل حق صاحب موجود ہیں، میں اُن سے مُبادلۂ خیال بھی کر لوں اور ملاقات بھی ہو جائے گی۔

لاہور میں آخری ملاقات:

میں لاہور پہنچا تو دوسرے دن چیف جج صاحب مجھے سر عبدالحمید سے فلیٹی ہوٹل میں ملاقات کی غرض سے لینے آ گئے، چودھری افضل حق سے مشورہ ہو چکا تھا، میں فلیٹی ہوٹل پہنچا۔ سر موصوف سے مختصر ملاقات ہوئی، میں نے انھیں صاف الفاظ میں بغیر کسی ایچ پیچ کے بتا دیا کہ ہمارا آپ کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ آپ نے ہمارے معزز رفیق کو جیل میں ڈال رکھا ہے، انھیں رہا کر دیجیے، ہم سے آپ کیا چاہتے ہیں؟ سر موصوف خاموش ہو گئے۔ چیف جج صاحب باہر آ کر شکوہ کرنے لگے کہ میں نے تو آپ کی بڑی تعریف کر رکھی تھی کہ بڑے با اخلاق، نرم مزاج اور مرنجاں مَرَنج انسان ہیں۔ آپ نے تو ایک دم لٹھ مار دیا ہے۔ میں نے انھیں سمجھایا کہ سردار صاحب آپ کو معلوم ہو یا نہ ہو مگر میں جانتا ہوں کہ سر موصوف آپ کے ہاں چند روز کے مہمان ہیں، مہاراج اب انھیں مستقل طور پر چھٹی دے دیں گے اور چودھری عبدالعزیز کو رہا کر دیں گے۔ ان شاءاللہ ایسا ہی ہوگا، میں نے تو آپ کے ارشاد کے مطابق ملاقات کر لی ہے۔

چنانچہ کچھ ہی دنوں بعد سر عبدالحمید وزارتِ عظمیٰ سے علیحدہ کر دیے گئے اور چودھری عبدالعزیز کو غیر مشروط رہائی مل گئی۔

اب:

اب نہ وہ ریاست کپورتھلا رہی اور نہ وہاں کوئی مسلمان رہا۔ مہاراج بھی پرلوک کو سدھار گئے، ریاست کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ دیوان سر عبدالحمید پچھلے دنوں تو زندہ تھے، اب معلوم نہیں کس گوشۂ گمنامی میں زندگی کے دن گزار رہے ہیں؟ اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر اللہ کا خوف اور یومِ آخرت کو بھلا دیا جائے تو انجام بخیر نہیں ہوتا؟

فاعتبروا یا اولی الابصار

تحریکِ مدحِ صحابہؓ.....نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم کی تائیدی تقریر

خطاب: شہیدِ ملّت نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم

''مجلس احرارِ اسلام ہند کی برپا کردہ تاریخی ''تحریکِ مدحِ صحابہؓ'' ۱۹۳۶ء کی حمایت میں سابق وزیرِ اعظم پاکستان اور مسلم لیگ کے رہنما، شہیدِ ملّت، نواب زادہ لیاقت علی خان کی یوپی اسمبلی میں تقریر کی جو اخبار النجم، لکھنؤ، ۱۳ر نومبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ ادارہ ریکارڈ محفوظ کرنے کے لیے اس یادگار اور تاریخی تقریر کو جناب عرفان الحق ایڈووکیٹ کے شکریے کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

سٹی مجسٹریٹ کا اعلان:

یکم جون ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ کے شیعہ سٹی مجسٹریٹ ابو طالب نقوی نے حسبِ دفعہ ۱۴۴، ایک اعلان شائع کیا کہ ۳ر جون کے جلوس محمدی میں مدحِ صحابہ نہ پڑھی جائے، اس سلسلہ میں ان کے الفاظ درج ذیل ہیں:

''ہر گاہ ایک جلوس لکھنؤ میں تاریخ ۳ر جون ۳۶ء بروز بارہ وفات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں نکالا جانے والا ہے۔ وہر گاہ یہ جلوس چند سال ہوئے پہلے نکالا گیا تھا تو شیعہ اور سنی مسلمانان کا مشترکہ جلوس تھا اور اس وقت اب تک یہ مشترکہ جلوس رہا ہے۔ ہر گاہ امسال بھی جلوس کے سنی منتظموں نے شیعہ مسلمانوں کو جلوس میں شرکت کرنے کے لیے مدعو کیا ہے اور انھوں نے بھی اپنی شرکت کی منظوری دے دی ہے اور ہر گاہ کہ پولیس کی اطلاع و نیز دیگر ذرائع کی اطلاع پر یہ یقین کرنے کے لیے کافی وجوہ موجود ہیں کہ کچھ غیر ذمہ دار لوگ ایسی نظمیں جو مختلف فیہ ہیں، اس جلوس میں پڑھیں گے، جن کی معقول گنجائش نہیں ہے اور ہر گاہ ایسی نظموں کے پڑھنے سے اندیشہ نقضِ امن عام کا ہے۔ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ.....حسب ذیل حکم زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطۂ فوجداری نافذ کرتا ہوں کہ:

۱۔ کوئی شخص جلوس میں یا جلوس کے لوگوں کی سماعت کے اندر کسی شارع عام پر یا مجمع میں مدحِ صحابہ نہیں پڑھے گا

۲۔ کوئی شخص دشنام آمیز الفاظ یا کوئی اور الفاظ یا اشعار جن سے کسی دوسرے فرقہ کے پیروؤں کی ذلت یا ہتک ہوتی ہو، اس جلوس کے راستے میں یا جلوس کے لوگوں کی سماعت کے اندر یا کسی شارع عام پر یا کسی مجمع میں نہ پڑھے گا۔ وغیرہ وغیرہ

نواب زادہ لیاقت علی خاں کی تقریر:

لنچ کے بعد ٹھیک ڈھائی بجے نواب زادہ صاحب نے تحریک التواء پیش کی۔ تحریکِ مدحِ صحابہ کے حوالے سے پیش آمدہ صورتِ حال کے حوالے سے اپنی تقریر میں آپ نے کہا:

''میں متعصب نہیں ہوں اور جب کبھی دو فرقوں میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے تو میرے دل کو سب سے زیادہ دکھ ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا موجودہ معاملہ میں کچھ ایسا رویہ رہا ہے کہ کوئی انصاف پسند شخص خاموش نہیں رہ سکتا۔ مدحِ صحابہ کے سلسلہ میں حکومت رعایا کے جائز حقوق میں مداخلت کر رہی ہے اور جس کام کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، اسے کرنے سے روک رہی ہے۔ علی الاعلان مدحِ صحابہ پڑھنا، سنّیوں کا مذہبی اور شہری حق ہے۔ مدحِ صحابہ پڑھنے کی عام اجازت دینے پر اعتراض یہ کیا جا رہا ہے کہ بعض لوگ خلفاءِ ثلاثہ کی عظمت کو نہیں مانتے، اس لیے حکومت کو حق ہے کہ وہ ان اصحاب کے معتقدین کو اپنے بزرگوں کی تعریف کرنے سے روک دے، جبکہ یہ دلیل سراسر غیر منطقی اور عقلِ سلیم کے خلاف ہے، میں ایوان کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اصحاب جن کی تعریف کرنا جرم قرار دیا گیا ہے، اسلام کے زبردست محسنوں میں سے اور انھی کی ذات سے ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ یہ حضرات نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص دوستوں اور جاں نثاروں میں تھے، بلکہ ان کے قریبی اعزاء میں سے بھی تھے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر تھے اور حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ مسلمان ان تمام حضرات کی عزت کرتے ہیں، لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ان اصحاب کے ماننے والوں کو ان کی تعریف سے روکے۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ سنّیوں کو اپنے بزرگوں اور اسلام کے محسنوں کی تعریف سے روکا جائے، وہ آخر کس وجہ سے ایسا کرنا چاہتے ہیں؟ سنّی کسی کو گالی نہیں دیتے تو پھر بگڑنے کی کیا وجہ ہے؟ اگر اس اصول پر دنیا کاربند ہونے لگے تو پھر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عیسائی حضرات جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں، لیکن مسلمان ایسا نہیں مانتے اس لیے عیسائیوں کو اس کی اجازت نہیں ملنی چاہیے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے خیال کے مطابق تعریف کریں۔ حقیقت اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک میں کسی دوسرے پر سبّ و شتم نہ کروں، مجھے اپنے بزرگوں کی تعریف کرنے کا حق حاصل ہے، جس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہونی چاہیے اور یہی آج سنّیوں کا مطالبہ ہے۔ حکومت نے اپنے آرڈر مجریہ ۱۹۰۹ء میں صاف صاف یہ لکھ دیا ہے کہ ان اصحاب کی علی الاعلان تعریف کو پورے سال نہیں روکا جا سکتا۔

ایک اعلان کی یاد:

نواب زادہ صاحب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید کہا:

''اس وقت کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ریڈ پیچی نے بھی فساد ہونے کے بعد سنّیوں کو اطمینان دلانے کے لیے صاف صاف یہ اعلان کر دیا تھا کہ سنیوں کو پورے سال مدحِ صحابہ پڑھنے سے نہیں روکا جا سکتا، مگر مقامی حکام نے نہ صرف تین دنوں کے لیے مدحِ صحابہ بند کی بلکہ وہ اپنی حد سے گزر کر حکم پر حکم دیتے چلے جا رہے ہیں کہ اب مسلمان سال کے کسی دن میں بھی مدحِ صحابہ نہیں پڑھ سکتے۔

ہوم ممبر کے جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی حقیقت اور اصلیت سے وہ لاعلم ہیں، جس پر مجھے افسوس ہے، بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ کی طرف سے اس قسم کا کوئی تحریری حکم شائع نہیں ہوا ہے کہ لکھنؤ میں مدحِ صحابہ علی الاعلان پڑھنا ہمیشہ کے لیے ممنوع ہو گیا ہے۔ جو حکم ہر جمعہ کو دیا جاتا ہے وہ صرف یہ ہوتا ہے کہ ٹیلہ کی مسجد لکھنؤ کے گرد نصف میل کے اندر پانچ آدمیوں سے زیادہ لوگ جمع نہ ہوں۔ اب اس حکم کی خلاف ورزی کوئی نہیں کرتا، مگر جب ایک یا دو آدمی مسجد سے مدحِ صحابہ پڑھتے ہوئے نکلتے ہیں تو ان کو فوراً گرفتار کر لیا جاتا ہے، لہٰذا بتایا جائے کہ اب یہ گرفتاری کس جرم اور کس قانون کی رُو سے ہوتی ہے؟ کیا انصاف اسی کو کہتے ہیں''۔

یوپی اسمبلی میں مدحِ صحابہؓ:

انھوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید کہا:

''میں ایوان کی آگاہی کے لیے وہ اشعار بھی پڑھ کر سنائے دیتا ہوں جن کو لوگ عام طور سے پڑھتے ہیں تو گرفتار کر لیے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں ایک شعر یہ بھی خاص طور سے پڑھا جاتا ہے:

جن کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو لیل و نہار
وہ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ چار یار

میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان اشعار میں کوئی اسی قابلِ اعتراض بات ہے، جس کی کوئی شخص مخالفت کرے، یہ بات نہایت قابلِ افسوس ہے کہ حکومت تو یہ کہتی ہے کہ ہر فرقہ کو اپنے مذہبی پیشواؤں کی تعریف کا حق ہے اور مسلمان بھی اپنے بزرگوں کی علی الاعلان تعریف کر سکتے ہیں، مگر پھر بھی دفعہ ۱۴۴ کی آڑ میں مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ افسوس اور قابلِ مذمت ہے کہ حکام دفعہ ۱۴۴ سے زیادہ کسی اور قانون کا غلط طریقہ سے استعمال نہیں کرتے۔ دفعہ ۱۴۴ کا منشا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ لوگوں کو ان کے جائز حقوق کے استعمال سے روک دیا جائے، بلکہ اس قانون کے سہارے عوام کے جائز حقوق کا نفاذ کرانا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دفعہ کو غلط استعمال کیا جا رہا ہے اور لکھنؤ کے مسلمانوں کو ان کے جائز اور غیر دل آزار حقوق سے محروم کر کے ان کے ساتھ زیادتی کی جا رہی ہے، حکومت کے لیے یہ افسر نوازی کی پالیسی نہایت نقصان دہ ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو اور برا ہوگا، اگر حکومت نے اس طرح اپنے آدمیوں کی حمایت کی تو کیا یہ انصاف کہا جائے جائے گا۔ کیا یہ حکومت کا فرض نہیں کہ وہ اپنے افسروں کو اس چیز سے روکے کہ وہ دوسروں کے جائز حقوق کو غصب نہ کریں۔ مجھے امید ہے کہ تمام ممبر میری اس تحریک سے متفق ہوں گے''۔

(النجم لکھنؤ، ۱۳؍نومبر ۱۹۳۶ء)

☆.....☆.....☆

میرا افسانہ

قسط:۲

مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

مولوی جتی چور:

ہر شہر کے بے فکرے اور بے کار لوگوں نے کسی نہ کسی غریب کو تفریح کا سامان بنایا ہوتا ہے۔ امرتسر میں مولوی گاما عرف جتی چور لوگوں کا تختۂ مشق تھا۔ بچے بوڑھے سب کی دل لگی کا سامان یہی شخص تھا۔ رؤسا اور امراء کی محفلوں میں زینت تھا، وہ اس کو جوتے لگاتے، یہ ان کو گالیاں دیتا۔ جب یہ تنگ آ کر سخت مشتعل ہو جاتا تو لوگ فوراً ہاتھ باندھ کر کہتے کہ مولوی صاحب معاف کر دو۔ یہ سن کر واقعی اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا اور پھر بغیر حرف شکایت زبان پر لائے وہاں سے چلا جاتا۔ چند قدم پر جاتا تو اور بے فکر مل جاتے۔ اس کی ٹوپی اٹھا کر اس کی چندیا پر چپت جماتے۔ اکثر لوگوں کے تشدد سے کہیں پناہ نہ پا کر وہ عدالتوں میں چلا جاتا، وہاں وکلا کی کرسیوں پر بیٹھ جاتا۔ اس طرح مار پیٹ سے محفوظ ہو جاتا۔ کبھی کبھی وہ وکلا کو فرماتا کہ برخوردار ٹھیک بحث کرنا، کبھی عدالت قہقہوں میں گم ہو جاتی، گھڑی دو گھڑی عدالت میں بھی دل لگی ہوتی۔ نظیر کو مولوی موصوف سے بڑی دلچسپی تھی۔ جب دیکھو نظیر مولوی صاحب کا پتہ پوچھتا تا کہ دل و دماغ کی ضیافت کا سامان ہو جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کھیل کے میدان میں مسلمان سب قوموں سے نمایاں تھے، والدین کو خیال تھا کہ ہمارے بچے جسمانی تربیت میں کسی سے کم نہ ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ملّت کی ہوا خیزی کا باعث بنیں۔ کرکٹ کے سوا کسی اور کھیل کا رواج ابھی نہ ہوا تھا، اس لیے اسی میدان میں قوموں کی زور آزمائی ہوتی تھی۔ اسلامیہ ہائی سکول امرتسر شہر کے مسلمانوں کی عزت کا محافظ تھا۔ دس برس کے بعد شاید کہیں دوسروں کے سامنے خاک چاٹنا پڑتی تھیں، بس یہ قومی شکست کا دن سمجھا جاتا تھا۔ ہر چہرہ اداس نظر آتا تھا۔ جب جیت ہوتی تھی تو گھر گھر ''لاقہوہ'' کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کھلاڑیوں کا ہر زبان پر چرچا ہوتا تھا۔ واہ صاحب واہ! فخر الدین کی کیا بات ہے، بس باؤلنگ اس پر ختم ہے، کہہ کر وکٹ لیتا ہے، لیکن محمد سعید نے جو کیچ لیا بس اس نے کھیل کا پانسہ پلٹ دیا۔ یا روکٹ کیپر کو کوئی داد نہیں دیتا۔ اس نے ایک بھی تو گیند نکلنے نہیں دیا۔ بھئی ہمارے سکول نے فیلڈ میں تو کمال کیا، کس طرح جمے رہے۔ کرکٹ کے معرکے کا دن مولوی ''جتی چور'' کی خاص خوشی کا دن ہوتا تھا۔ خواہ کتنا پٹتا، کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے برابر شاباش شاباش کی آوازیں دیتا، وہ میدان کے گرد گھومتا، لوگ اس کے گرد گھومتے۔ کرکٹ گراؤنڈ کی دلچسپی بڑھ جاتی۔ لوگ کبھی کھیل دیکھتے، کبھی مولوی صاحب سے دل لگی کرتے۔ ایک سال سکھ سکول سے بڑا معرکہ پڑا۔ اسلامیہ سکول شکست سے بال بال بچا۔ شکست کی بھاری صورتیں پیدا ہو کر کھیل میں فتح ہو جائے تو فاتحین کی خوشی کا کیا اندازہ ہے۔ اسلامیہ سکول کے لڑکے خوشی سے اچھل پڑے، پگڑیاں ہوا میں لہرائیں، نعرہ تکبیر سے آسمان گونجا۔ مولانا کی اچھل کود کا تماشا قابلِ دید تھا۔ مولانا کا بھدا سا رقص، ان کا ہاتھ اٹھا کر چٹکیاں بجانا، حسین رقاصہ کے کمالِ فن سے زیادہ جاذب توجہ تھا۔

تماشائیوں کا ایک ہجوم تھا، مولوی صاحب پر ایک وجد اور خوشی کی کیفیت طاری تھی۔ اس کیفیت کے کیف سے دیکھنے والے بھی سرشار تھے۔ خلافِ عادت اس وقت ان کی چندی پر کوئی چپت نہ جماتا تھا۔ یک بیک نظیر بھیڑ کو چیرتا ہوا آیا اور مولانا کے بازوؤں کے گرد ہاتھ حمائل کر کے اس طرح جلدی جلدی زمین سے اس کو اٹھاتا اور اسے دھم سے گراتا رہا گویا کوئی پختہ کار مزدو ''درمٹ'' سے سڑک کوٹتا ہے۔ مولانا کو کسی نے آج سے پہلے ایسی مداخلت پر یوں غضبناک نہ دیکھا تھا، جونہی نظیر نے اس کو چھوڑا، وہ اس کے پیچھے بھوکے شیر کی طرح بھاگا۔ آمنے سامنے ہو کر ناک پر ٹکر ماری، نظیر لڑکھڑا کر گرا اور ناک سے نکسیر بہنا شروع ہوگئی۔ وہ شرمندہ اور سرفگندہ خون صاف کرتا جا رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ سالا مولوی ٹکر خوب مارتا ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کر چکا ہوں، باتوں کی بجائے ہاتھوں سے زیادہ کام لینا اس زمانے میں تعلیم کا اہم گر سمجھا جاتا تھا۔ نرم دل استاد تعلیم کے ناقابل قیاس کیا جاتا تھا۔ ہماری جماعت کو جغرافیہ پڑھانے کے لیے ایک نیا ستم پیشہ شخص مقرر ہوا، گھنٹی بجی، اس استاد کے پڑھانے کا وقت آیا۔ میں بنچ کے نیچے پڑے بستے سے کتابیں نکالنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ کسی نے آ کر اس زور سے کمر میں چابک رسید کیا کہ میں بلبلا اٹھا۔ کسی طالب علم کا ظلم سمجھ کر اس کو گلے سے پکڑنے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ سامنے ماسٹر صاحب نظر آئے۔ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا معاملہ تھا۔ کمزور کی طرح جبر پر صبر کیا مگر سارا گھنٹہ کمر سہلاتا رہا۔ وقت گزر گیا، معلوم ہوا کہ ماسٹر صاحب کو مار پیٹ کی خاص مہارت تھی۔ جہاں وہ پہلے ٹیچر تھے وہاں بھی ان کا ہاتھ یوں ہی رواں تھا مگر آج انھیں شامتوں نے آن گھیرا۔ کسی بے گناہ کی بددعا لگ گئی۔ دوسرے سیکشن میں جا کر میری طرح بے خبری میں کرکٹ کے کیپٹن کی کمر پر زور سے چابک رسید کیا، اس نے بھی میری طرح سمجھا کہ یہ کسی مخالف طالب علم کا وار ہے۔ شدتِ درد سے وہ بلبلایا اور مارے غصے کے آنکھوں سے شرارے نکلے۔ پلٹتے ہی اس نے مولانا کا ٹیٹوا دبوچا۔ وہ گبرو جوان مولانا اس کی ٹکر کے کہاں تھے، اس نے آنکھ جھپکتے مولانا کو ہموار کیا اور چھٹتے ہی حضرت کی کنپٹی پر اس زور سے مکے رسید کیے کہ مولانا نے بے تاب ہو کر خدا اور رسول کی دہائی دی۔ کرکٹ کیپٹن نے غور سے دیکھا تو نئے ماسٹر صاحب کو فریاد و فغان کرتے پایا، پھر تو گھبرایا کہ میں نے استاد پر وار کیوں کر دیا۔ ندامت کے باعث دانتوں سے ہاتھ کاٹنے لگا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ فوراً سب جماعتوں کو سکول ہال میں جمع ہونے کا حکم آیا، پھر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مولوی صاحب کو پیٹ دیا۔ مولوی صاحب پٹ پٹا کر دنبہ ہو گئے۔ مدرسہ کے تمام طالب علموں کو جمع کیا گیا اور سب کے سامنے اس طالب علم کو بید لگوائے گئے، سکول کے منتظمین نے اچھا کیا کہ مولوی صاحب کو ایک ماہ کی تنخواہ دے کر مدرسہ سے رخصت کر دیا۔

عبادت:

گھر بھر کے مذہبی رجحانات کے باعث مجھے بھی بچپن میں عبادت کا شوق ہو گیا۔ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی نماز قضا ہوتی ہو۔ فرض چھوڑ کر نوافل میں رغبت زیادہ تھی، اُس زمانہ میں اِس دور کی نسبت لوگوں کی مذہبی سیرت بہتر تھی۔ اس زمانہ میں بعض ایسے مذہبی علماء بھی تھے جو گو قولی عبادت میں مصروف تھے، مگر انگریزی سلطنت کے اثر و رسوخ سے بے پروا تھے۔ مجھ پر ان کی سیرت کا بے حد اثر تھا، میں محلّہ کی مسجد میں گھنٹوں تنہا رہا کرتا تھا، ایک روز مجھ پر عجیب کیفیت طاری

ہوئی، یک بیک طبیعت میں اطمینان بڑھنا شروع ہوا، اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ میں اس وقت پانی میں مچھلی کی طرح آسودہ تھا، میرے منہ کا ذائقہ ایسا خوش گوار ہو گیا کہ زندگی بھر میں کسی خوش ذائقہ پھل سے وہ حلاوت نصیب نہیں ہوئی، ذائقہ کی یہ صورت خاصی دیر قائم رہی۔ فرحت قلب کئی گھنٹے جاری رہی، کئی روز کے بعد ہمارے دینیات کے استاد جو شب زندہ دار بڑے پرہیز گار تھے، فرمانے لگے کے بعض اوقات خدا انسان پر مہربان ہو کر اس کی زبان کا ذائقہ ایسا بدل دیتا ہے، گویا وہ بہشت کے پھلوں سے لذت اندوز ہو رہا ہے، میں خوش خوش پھر مسجد میں گیا کہ خدا کی مہربانی کا پھل کھاؤں، طبیعت کو یکسو کرنے کی بڑی کوشش کی، کچھ مزا نہ آیا۔ ناکام اٹھا تو معلوم ہوا کہ کوئی میرا جوتا اٹھا کر لے گیا ہے، اب تو پہلا مزا بھی کرکرا ہو گیا، ندامت سے گھر پہنچا تو جوتا کھو جانے پر سخت فہمائش ہوئی، میں پھر زبان کا مزا ڈھونڈنے کے ارادے سے مسجد میں نہیں گیا۔

اگرچہ میں عام بچوں کی طرح کھلنڈرا تھا، مگر انگریزی کھیلوں سے کوئی شغف نہ تھا۔ گلی ڈنڈا، کبڈی، کبھی کبھار، کشتی محبوب مشغلہ ہوتا۔ ایک دن ہم کبڈی کھیل رہے تھے، ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے کے باعث کتا جو سڑک پر جا رہا تھا، ڈر سے بھاگا اور سادھو کی ٹانگوں سے لگا، جو کشکول میں آٹا لیے کھڑا کبڈی تماشا دیکھ رہا تھا۔ سادھو پٹاخ سے زمین پر گرا، آٹا مٹی میں مل گیا، سادھو کے پاس ایک اور تماشائی کھڑا تھا، اس نے اسے پکڑ لیا کہ مجھے تو نے گرایا ہے۔ وہ بے قصور ہونے کی ہزار قسمیں کھاتا تھا لیکن سادھو ماننے میں نہ آتا تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ کتے کے دھکے سے بڑے بڑا پہلوان گر جاتا ہے، مجھے یہ باور نہ آتا تھا۔ کئی سال کے بعد اتفاق سے مجھے اسی طرح کتے کا دھکا لگا، میں سٹ سے زمین پر گرا، اگر وہ واقعہ یاد نہ ہوتا تو میں بھی کسی راہ گیر کو پکڑتا۔ اس روز میں نے ایسی چوٹ کھائی کہ کتے کے دھکے سے سخت ڈر رہتا ہے، شکاری کتوں سے بھی دور رہتا ہوں۔ اسی طرح کتیا ایک دن بچے دیے پاس بیٹھی تھی، میں پاس سے گزرا، اس نے نہایت خاموشی اور تہذیب سے اٹھ کر میری ٹانگ لی۔ مجھے یوں معلوم ہوا کہ ٹانگ کسی نے شکنجے میں کس دی ہے، میں نے ہائے دہائی مچائی، پھر اسے خود ہی خدا کا خوف آ گیا۔ دانتوں کے کچھ تھوڑے سے گہرے زخم لگا کر چپ چاپ چھوڑ کر نہایت اطمینان سے اسی جگہ جا بیٹھی، گویا میرے ساتھ اس نے کوئی واقعہ ہی نہیں کیا۔

۱۹۰۸ء میں نویں جماعت میں داخل ہوا، یہاں خود استاد کم مارتے تھے، لیکن ایک دوسرے کی ناک پکڑ کر چپت مارنے کا حکم دیتے تھے۔ یا ایک دوسرے کے کان پکڑ کر اٹھنے بیٹھنے کو کہتے تھے، ایک روز سیکنڈ ماسٹر نے مانیٹر کو حکم دیا کہ ایک غبی لڑکے کو ناک سے پکڑ کر مارے۔ لڑکے کو ناک میں کھجلی ہوئی یا شرارت سوجھی کہ اس نے مانیٹر کے ہاتھ میں ناک چھینک دی، سیکنڈ ماسٹر نے اس کو بری طرح پیٹا۔ وہ لڑکا تو سکول سے چلا گیا، لیکن ناک پکڑنے کی سزا دینے کی رسم ختم ہو گئی۔ اس زمانے میں میرا مذہبی یقین شہادت کی نذر ہونے لگا اور ہستی باری تعالیٰ کے متعلق باوجود عقل کی گواہی کے دل بے یقین سا ہو گیا۔ اس کی عظمت و جلال کی شہادت کے لیے گو قدرت جلووں کی دنیا آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر رہی تھی، لیکن دل سے اطمینان جاتا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یقین ایک جنت تھی جو مجھ سے چھین لی گئی ہے اور بے اطمینانی

کے دوزخ میں ڈال دیا گیا ہوں، میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دعائیں اس یقین کو واپس لانے میں صرف ہوئیں۔ ایک دن میں پریشان حال ملکہ کی مورت کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک عورت جو حسن کا کشمیر تھی، سامنے سے گزری، ہر چند حسن و عشق نے دل میں جگہ نہ پائی تھی، مگر رنگ و نقش کے اس امتزاج کو دیکھ کر خدا یاد آ گیا۔ زبان سے نکلا یہ اشرف المخلوقات بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہوسکتا، یقین نے پھر طبیعت پر اطمینان کی جنت کے دروازے کھول دیے۔

سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ خدا کے قائل نہیں، میں اس کا یقین نہیں کرسکتا۔ دل میں شبہ کی عارضی کیفیت تو پیدا ہوسکتی ہے، لیکن ہزار در ہزار جلوؤں کی اس جنت گاہ دنیا میں ہستی باری تعالیٰ کا کوئی کب تک انکار کرسکتا ہے اور خدا کا انکار کر کے اطمینان کی زندگی کیسے بسر ہوسکتی ہے۔ خدا کی ذات میں شبہ میرے لیے ایک دردناک عذاب تھا۔ وہ بڑے ہی عجیب و غریب لوگ ہوں گے جو منکر خدا ہو کر مطمئن ہیں۔

بے اطمینانی کے اس دور میں، مَیں نے اس بزرگ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی اور کئی سال تک ذکر و شغل جاری رہا۔ اسی سن میں شہر میں ہیضہ پھوٹا، ہمارے محلے میں بھی وبا پھیلی، لوگ دوسروں کے کندھے پر چڑھ کر خدا گنج پہنچنے لگے۔ مسلمان عام طور پر موت سے ہراساں نہیں ہوتے، سب مہیا بقضا تھے۔ ساتھ ہی معمولی کاروبار بھی جاری تھی، یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن وہ تقدیر کے ایسے قائل تھے کہ مناسب علاج و معالجہ اور ضروری صفائی سے بھی غافل رہتے تھے۔ یہ صورتِ حال صاف طور پر غیر اسلامی تھی، تقدیر سے آخری وقت تک جان توڑ لڑائی لڑنا مسلمان کی شان ہے۔ موت کا مقابلہ کرنا، وبا کو گھر میں گھسنے نہ دینا بھی ہمارے فخر کا سامان ہے، موت اور وبا کا آسان شکار ہو جانا اسلام نہیں۔ مسلمان ہی موت کے منہ میں لوہے کا چنا ہے، وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ ہاں اس کے حملہ کو ہوشیاری سے بچا کر خطرے سے نکل جاتا ہے، اس کا پہلو بچانا بزدلی نہیں۔ وہ موت کے لیے میدان خالی نہیں چھوڑتا، بلکہ جم کر لڑتا ہے اور تن کر مقابلہ کرتا ہے، مسلمان موت سے خائف نہیں، البتہ اس کا بہادر دشمن ہے، بے شک اس کے حملہ سے کھیت بھی رہتا ہے۔ زندگی میں ہار جیت ہوتی ہی ہے، لیکن موت اور وبا کا مقابلہ میں ہاتھ پاؤں کا نہ ہلانا اس دشمنِ جان کے بلاوے پر ہنسی خوشی چلے آنا آدمیت نہیں۔ موت اور وبا آئے زور سے لے جائے، لیکن نامردوں کی طرح بغیر صدائے احتجاج بلند کیے ساتھ ہو لینا انسانیت کے لیے خطرہ ہے۔

کچھ عرصہ ہوا، میرے ایک غیر مسلم دوست نے کہا کہ مسلمان اپنی گندی عادات اور برے اعتقادات کے باعث موت اور بیماری کا تر نوالہ ہیں۔ اس طعنہ کو سچ کر دکھانے سے ہمیں شرمندہ ہونا چاہیے، ہمارا مذہب ان دونوں الزامات کی ضد ہے، لیکن مسلمانوں کا کیا کیا جائے کہ ان کے اعمال ایسی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اپنے گھروں کی صفائی اور بری تقدیر سے لڑائی ہمارا شیوہ ہونا چاہیے، خواہ ہم اقتصادی طور سے کیسے بدحال کیوں نہ ہوں، ہمیں اپنی صحت اور صفائی پر توجہ دینی چاہیے، تاکہ ہم پر نفرت کی نگاہ نہ پڑے۔ اپنی کامیابی کے لیے تمام ذرائع اور سارے اسباب مہیا کرنے چاہئیں کہ نیکی اور بھلائی میں کوئی قوم ہمارا مقابلہ نہ کرسکے، خدمت کی بنا پر عظمت حاصل کرنے کا بچوں کو شوق دلانا چاہیے۔

میرے محلے میں وبا پھیلی، اس کی لپیٹ میں میں بھی آ گیا۔ مجھ پر موت کا کوئی خوف و ہراس نہ تھا، لیکن گھر کی

صفائی اور علاج سے پرہیز نہ کیا، جان بچ گئی۔ صحت کے لحاظ سے زندہ درگور ہو گیا، خدا جانے ہیضہ ہونے سے جسم میں کیا زہر پھیلا کہ پھر طبیعت پورے طور پر بحال نہیں ہوئی۔

میرے حافظہ کا عجب حال ہے۔ بعض واقعات تو لوحِ دل پر پتھر کی لکیر کی طرح محفوظ رہتے ہیں اور بعض نقش بر آب ہوتے ہیں۔ خصوصاً نام اور پہچان بہت کمزور ہے، عزیز سے عزیز دوست کا نام بھول جاتا ہوں، کبھی ایسا بھی ہوا کہ اپنا نام بھی یاد نہیں رہا۔ میں ایک موقع پر مسلم لیگ کا ٹکٹ لینے لگا، روپے دے دیے، ٹکٹ داخلہ پر میرا نام لکھنا تھا۔ کلرک نے کہا کہ آپ کا اسم شریف؟ میں اپنا اسم شریف بھول چکا تھا، میں ناک صاف کرنے کے بہانے کھڑکی سے ہٹا، پرے جا کر جیب میں ہاتھ ڈالا کہ میرے نام کا کوئی کارڈ یا لفافہ ہو، مگر اس کوشش میں ناکامی ہوئی۔ میں بھولے بھٹکے کی طرح پریشان کھڑا تھا کہ مجھے ایک شخص نے نام پکار کر آواز دی، اپنا نام سن کر میں کھڑکی کی طرف لپکا اور نام بتا کر ٹکٹ لیا۔

باوجود خرابی صحت کی انٹرنس اسلامیہ سکول امرتسر میں پاس کر کے لاہور اسلامیہ کالج میں داخل ہو گیا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ صحت تعلیم کا ساتھ نہ دے سکے گی۔ تاہم کوشش جاری رکھی، غلطی سے سائنس اور حساب دونوں لے لیے، نتیجہ یہ ہوا کہ کالج میں کامیابی کی امید مشتبہ ہو گئی۔

میری سائیکل:

کالج میں آ کر میں نے بائیسکل سیکھنا شروع کیا۔ پرانی سی بائیسکل مل گئی، مجھے ایک ہفتہ کے اندر چڑھنے کی مہارت تو ہو گئی، مگر چلانے کی پوری مشق نہ ہوئی، نتیجہ یہ تھا کہ آدمی جدھر بچ کر جاتا تھا میری بائیسکل اس کا تعاقب کرتی تھی۔ توجہ آدمی کی طرف ہونے کے باعث بائیسکل کا رخ بھی ادھر ہو جاتا تھا، کئی دفعہ پر کئی شریفوں کی ٹانگوں میں بائیسکل پھنسانے کی نادانستہ کوشش کی، کئی مجھ پر غصہ ہوئے، کئی ایک پر میں ناراض ہوا۔ شہری لوگ مجھ کو اناڑی سمجھ کر میرے سر ہوتے تھے کہ ہاتھ سیدھا نہیں ہوا اور بابو صاحب سائیکل سوار ہو گئے۔ دہقانوں پر بے جا رعب جماتا تھا کہ راہ دیکھ کر نہیں چلتے، اس صورت سے تنگ تھا، خیر آہستہ آہستہ ترقی کی۔ ایک دن موچی دروازہ کی نشیب کی طرف سوار آ رہا تھا، پرانی سائیکل ہونے کے باعث نہ بریک لگتی تھی، نہ گھنٹی بجتی تھی، گھنٹی کا فرض زبان کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ بائیسکل بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح اوپر سے نشیب کی طرف سرپٹ روانہ ہوئی، میں برابر ہٹو پکار رہا تھا۔ شامت اعمال ایک برقعہ پوش عورت کٹے ہوئے پتنگ کی طرح سڑک کے کنارے کنارے جا رہی تھی، میرے شور سے گھبرا کر سڑک کے دوسری طرف بھاگی، نہ بائیسکل میں بریک تھی، نہ میں ایسا مشاق تھا کہ بی بی سے بچ نکلتا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں راہ بیچ گرے۔ عورت نے پڑے پڑے ہزار صلواتیں سنائیں، کسی نے عورت کو سنبھالا، ایک نے میرے کپڑے جھاڑے، میں اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کر کے پھر سائیکل پر چڑھ گیا۔ شومئی قسمت سے آگے سڑک پر چھڑکاؤ ہوا ہوا تھا، مجھے یہ علم نہ تھا کہ بائیسکل بھی پھسل جاتی ہے۔ بائیسکل جو پھسلی، میں پھر زمین پر آ رہا، اس دفعہ تو یوں معلوم ہوا کہ کوئی دیو زاد مجھے زمین پر پٹخ گیا۔ جگہ جگہ زخم لگے، بصد مشکل میں کالج پہنچا، اس دن سے اس شیطانی چرخہ پر چڑھنے سے توبہ کی۔ اگرچہ اب بھی لوگوں کی ٹانگوں میں بائیسکل

پھنسانے کی مہارت رکھتا ہوں، لیکن بغیر اس کے گزارہ کر لیتا ہوں۔

اسلامی دنیا:

انگلستان دنیائے اسلام کے حصے بخرے کر کے اس کی تقسیم میں حظ اٹھا رہا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں اس کی مصلحت نے طرابلس کو اٹلی کے حوالہ کر دینا چاہا، ہر گوشۂ ملک میں مسلمان اپنے نفع اور نقصان سے بے خبر تھا۔ طرابلس کا عرب اس کلیہ کی استثنا نہ تھا۔ انگلستان کی شہ پا کر اٹلی غافل طرابلس پر چڑھ دوڑا۔ طرابلس پر ترکی سیادت تھی، ترک مصر پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چاہا کہ مصر کے راستے افواج لے جائیں اور بڑھ کر اٹلی کے حملہ کو روکیں۔ انگلستان نے اس کی اجازت نہ دی، زور آور مارے اور رونے نہ دے۔ طاقت کے علاوہ ترک انگلستان کی شرانگیزی سے خائف تھے، اس لیے دم بخود ہو گئے۔ غازی انور پاشا نوجوان ترکوں کا سرتاج جوش تہور میں کسی خطرہ کو خاطر میں نہ لانے کا عادی تھا۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر مصر کی سرحدات کو عبور کر گیا، طرابلس کے مردہ جسم میں جان آ گئی۔ قبائل بڑی جان توڑ لڑائیاں لڑے، افواج اٹلی کی ترقی رکی دیکھ کر انگلستان پھر مدد کو پہنچا۔ ریاست ہائے بلقان کو بھڑکایا کہ ترکی کا تیا پانچا کرنے کا یہی وقت ہے۔ مرکز خلافت کو خطرے میں دیکھ کر غازی طرابلس چھوڑ کر قسطنطنیہ پہنچا۔ ترکی کی ہوا جنگ میں اکھڑ چکی تھی، انور پاشا کے آنے سے ہوا کا رخ ادھر سے ادھر ہو گیا۔

غلام ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی سیاسی پالیسی نہ تھی، مسلمان امراء، علماء اور صوفیا خدا سے منہ موڑ کر انگریز سے ناطہ جوڑے ہوئے تھے۔ وہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑنے کی دعائیں تو کرتے تھے، لیکن انگلستان کے خلاف حرفِ شکایت زبان پر لانے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ طرابلس کے بعد جب بلقان کی جنگ شروع ہوئی تو ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی کی بے تاب روحوں نے مسلمانانِ ہند کو عملی قدم اٹھانے کی دعوت دی۔ غلامی نے ہندوستانی مسلمان کو بے جان کر دیا تھا، اس دعوت سے اس میں آثارِ حیات پیدا ہو گئے۔ ڈاکٹر انصاری کے طبی وفد نے وہ بے لوث خدمات انجام دیں جس سے ترک اور ہندوستانی مسلمان میں براہِ راست سلسلۂ مودت قائم ہو گیا۔

کالج کے طلباء نے ترکوں کے اس ابتلا میں بڑی دلچسپی لی۔ سرکار انگریزی اس ہیجان کو بے سود مظاہرہ سمجھتی تھی، غلامی کا جذبہ دل چند آہوں سے قلعے مسمار نہیں کر سکتا۔ جرمنوں کی طرح انگریز کا بھی قول ہے کہ خدا ہمیشہ بڑی فوج کے ساتھ ہے اور نہ ہی کسی کو سرکار انگریزی کا نام لے کر مطعون کرنے کی جرأت تھی۔ جب ترکوں کو مغلوب ہوتے دیکھا تو وزیر خارجہ نے اعلان کیا کہ فاتحین فتح کے ثمرات سے محروم نہیں رکھے جا سکتے۔ یعنی مفتوحین کے ملک کے حصے بخرے کرنے کے مجاز ہیں، جب جنگ کا پانسہ پلٹا اور ترکوں نے بھی پیش قدمی کرنی شروع کی تو اعلان کر دیا گیا، خبردار کوئی کسی کا ملک نہ دبائے۔

ایران کا مسلمان ترکی سے زیادہ مظلوم تھا، ان کی قسمت بھی گردش میں تھی۔ وہاں بھی انگریزی سیاست ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر چکی تھی۔ شمالی ایران روس کو تفویض تھا اور جنوبی ایران انگریز کے گھوڑوں کے سم کی نذر تھا۔ اہلِ ملک

چکی کے ان دو پاٹوں میں پس رہے تھے، گو وہ آزادی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے تھے، لیکن انگریزی اور روسی عظمت وجلال کا کامیاب مقابلہ کرنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ گزشتہ صدی میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو کیا ہو گیا تھا کہ زندگی کی جدوجہد کے اسباب سے محروم رہ گئے تھے۔ مغرب جلد جلد اسلحہ پوش ہو رہا تھا اور مسلمان تقدیر کے قائل ہو کر تدبیر سے متنفر تھے۔ ترکی، ایران، عرب، افغانستان سب کا ہی حال تھا، ساری اسلامی آبادی گویا بیراگیوں کی قوم تھی، جو دنیا سے بیزار تھی، گھر لٹا کر جنگل میں جا بیٹھنے کی آرزومند تھی۔

ان دنوں ہندوستان میں ایسا لٹریچر شائع ہونا شروع ہوا جو مسلمانوں کو تقدیر کے مفہوم کی دعوت دے کر آمادہ عمل کرے۔ مسلمان خود آرام سے بیٹھ کر خداوند تعالیٰ کو اپنی مرضی کا غلام بنانے کا خوگر ہو گیا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل تو کجا، اپنے ارشادات کی تعمیل خدا سے کروانا چاہتا ہے۔ دعاؤں میں توفیق نہیں مانگتا بلکہ ہر کام کی تکمیل کرانا چاہتا ہے۔ موجودہ مسلمان کا خدا کے متعلق تصور یہ ہے کہ وہ ایک پیک ہے، جو اس کے اشاروں پر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اس کا اپنا بس یہی کام ہے کہ نماز کے بعد دعا کے لیے زبان ہلائے اور اس کی تکمیل کے لیے آسمان کی طرف دیکھے اور دن بھر انتظار میں گزار دے کہ دیکھیں خدا کس کس طرح اس کے سامنے اسباب فراہم کر کے لا رکھتا ہے، اس طرح مسلمان نے اپنی زندگی موت سے بدتر بنالی ہے۔ حالانکہ اسلام یہ ہے کہ خدا کے تابع فرمان ہو کر انسان امورِ دین و دنیا سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہے، سپاہی کی طرح فرض کو ادا کرے، پتا ہلے تو یہ چوکنا ہو۔ بڑے سے بڑے کام، مشکل سے مشکل مہم کو سرانجام دینے کے لیے اللہ پر بھروسہ کر کے قدم اٹھائے۔ کامیابی کے ذرائع سوچے، فتح کے اسباب فراہم کر کے ناکامی پر آزردہ خاطر نہ ہو، پھر کوشش کر کے پہلی کمی کو پورا کرے، تا آنکہ کامیاب ہو۔

مسلمانانِ ہند کے متعلق میری زندگی کا یہی تلخ تجربہ ہے کہ وہ یا تو نقش سلیمانی کی تلاش میں ہیں، تا کہ دفینے تک ان کو نظر آ جائیں۔ یا ایسی مالدار بیوہ کے نکاح کے خوشگوار خواب دیکھتے ہیں، جس کے بعد انھیں عیش و آرام کی زندگی میسر ہو جائے، یا وہ ہمزاد اور جن قابو کرنے کا جتن کرتے ہیں، تا کہ صبح تک ان کے لیے شاہی محل تیار کر کے دیے جائیں اور الف لیلہ کے افسانوں کو سچا کر دکھائیں، یا ایسا تعویذ دستیاب ہو کہ فتح قدم چومے۔ مگر اسے خود ہاتھ ہلانے کی نوبت نہ آئے۔ جس قوم کی کشور کشائی کا عزم تعویذوں پر موقوف ہو جائے، اس کے ذوقِ عمل کو کیونکر بیدار کیا جائے۔ چند ہی سالوں کے اندر ترکی کا مرد بیمار آخری سانس لیتا ہوا نظر آیا، مولانا شبلی مرحوم نے حالات کو ناقابلِ برداشت پا کر اپنی مشہور دل گداز نظم میں ممالک اسلام کی تخریب پر خون کے آنسو بہائے۔

میں بھی کالج کے دوسرے نوجوانوں کی طرح ماہی بے آب ہو رہا تھا۔ سوائے اپنی بدقسمتی پر رونے کے دوسرا چارہ کار نہ تھا۔ اپنے حال پر رونا اس لیے تھا کہ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے، جب اسلام ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے، پختہ عمر اور پختہ کار نہ تھے کہ خود کسی جان بخش جماعت کی داغ بیل ڈالتے۔ اس وقت ہندوستان میں کسی پختہ عمر کو راہنمائی کی جرأت نہ تھی۔ مسلمان نوجوان گھٹ کر مر رہا تھا، غلامی کے وسیع قفس میں اپنے آپ کو مجبور سمجھتا تھا، مسلمانوں کی

بے بسی کو دیکھ کر زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ خوشحالی میں کسی کا ساتھ دینا بھی کوئی نیکی اور بہادری ہے؟ شرافت اور خلوص کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان نوجوان اسلام کی اس پریشان حالی میں اس کا مددگار ہو کر خدا کی خوشنودی کو حاصل کرے۔ اسلام کے اس بدترین دور میں بہترین خدمات کا موقع ہے، تھوڑی سی قربانی بہت سے اجر کا باعث ہوسکتی ہے۔ طبیعت نے فیصلہ یہ کیا کہ انگریزی ملازمت کے بجائے خدمت اسلام و وطن کو مسلک بناؤں گا۔ یہ ۱۹۱۲ء کے خیالات ہیں۔ میں اس سال ایف اے میں فیل ہوگیا اور دوسرے سال دیال سنگھ کالج میں داخل ہوگیا۔ یہاں پہلی دفعہ غیر مسلم سٹاف سے واسطہ پڑا۔ یہاں کے پروفیسر اسلامیہ کالج کے پروفیسر سے ہزار درجہ قربانی، حلم اور علم میں بہتر تھے۔ وہ فرض کو ایک عبادت سمجھتے تھے، اسلامیہ کالج کے پروفیسر اوقاتِ تعلیم کو باوجود تنخواہ دار ہونے کے بیگار تصور کرتے تھے۔ لاپرواہی کی ہی علامات ہمارے تمام شعبہ جات زندگی میں ہویدا ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی پر غیر مسلموں نے عمل شروع کر رکھا ہے اور مسلمان ادیاسی فقیروں کے گروہ میں سے ہیں۔ جن کے لیے زندگی میں کوئی کام نہیں اور ادائیگی فرض میں کوئی پیغام نہیں۔

تصوف:

ایک دن دیال سنگھ کالج کے پروفیسر مترا نے فارسی پڑھاتے ہوئے برسبیل تذکرہ کہا کہ ہجرت کے کئی سو سال بعد مسلمانوں نے تصوف کو غیر مسلموں سے لیا۔ اس کی یہ بات میرے اوپر بجلی بن کر گئی۔ تصوف میرا اوڑھنا بچھونا ہو چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی چیز کو حاصل کرنا، علم کہلانے کا مستحق تو ہے، لیکن مذہب کا جزو کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لیے مذہبی دیوانے کی طرح پروفیسر مترا کو ڈانٹ دیا کہ آپ ابھی اسلام سے واقف نہیں۔ پروفیسر نے میری طرف تعجب سے دیکھا، مسلمان طالب علموں نے میری جرأت کی داد دی، پروفیسر شرمندہ سا ہو کر کلاس میں بیٹھا رہا۔ تمام مسلمان طالب علموں کا میرے ساتھ اتفاق تھا کہ تصوف مذہب اسلام کا ضروری جزو ہے۔ دوسرے روز پروفیسر بہت سی کتابیں لے کر آیا۔ حوالے پر حوالہ دینا شروع کیا کہ قرونِ اولیٰ میں تصوف کا کوئی نام نہ جانتا تھا، خانقاہ اور تکیہ کا نام غیر اسلامی۔ تصوف کا لفظ قرآن بھر میں بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب سے نہ دم کشی ثابت، نہ قلب پر ضربات لگانے کی سنت کا کہیں ذکر، یہ علم صاف طور پر غیر اسلامی ہے اور اسلام میں چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ جبکہ مسلمان یونانی اور ہندوستانی فلسفہ مذاہب سے دوچار ہوئے تو انھوں نے تصوف کا پیوند اسلام میں لگا دیا۔

پروفیسر نے کہا جاؤ تصوف اور شریعت کی موجودگی کا کوئی مستند حوالہ لاؤ، میں قائل ہو جاؤں گا۔ علم میں ضد جہالت ہے۔ علم علم کے معیار پر پورا اترے تو صحیح ہے۔ جہلا کا اعتقاد واقعات کو بدلنے کے لیے سند نہیں۔

میں نے کہا پروفیسر صاحب! اگر مسلمان علماء اور صوفیا کے پاس یہ سند نہ ہوتی تو یہ خانقاہیں اور تکیے نہ ہوتے، ذکر شغل جاری نہ رکھتے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی چیز کو داخل عبادت و دین سمجھنا بدعت ہے۔

پروفیسر: اور یہ بھی کہو کہ بدعت گمراہی ہے۔

میں: ہاں بدعت گمراہی ہے، کیونکہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ہو چکا تھا۔

پروفیسر: تو تم استدلال کرتے ہو کہ تصوف کی داغ بیل ضروری رسول عربی (ﷺ) نے ڈالی یا کم از کم اس کی اجازت دی۔

میں نے کہا ہاں۔ اس نے پھر کہا کہ عقل کو الجھنے میں کیوں ڈالتے ہو، قرآن اور حدیث سے کوئی سند لے کر آؤ، معاملہ ختم ہو جائے گا۔

لاہور کے علماء سے میری واقفیت نہ تھی، اس لیے امرتسر اپنے ایک استاد کے پاس گیا۔ وہ قرآن کے مکمل ہونے پر ہمیشہ زور دیتے تھے، بعد میں بزرگ اہل قرآن مشہور ہوئے۔ انھوں نہایت راز داری سے پاکیزہ زبان میں مجھ سے کہا کہ جو تصوف قرآن میں ڈھونڈتا ہے، وہ خدا اور رسول پر بہتان باندھتا ہے اور خالص نطفہ نا تحقیق ہے۔

جب مولوی صاحب نے اپنی لمبی تحقیق کو ایسے جامع الفاظ میں یوں مختصر بیان فرما دیا تو میں شرمندہ سا ہو کر چلا آیا۔ ایک اور اہل حدیث بزرگ کے پاس گیا۔ ان کا علم اور زہد اب بھی زبان زد خلائق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیعت کی سند ہے، تصوف کی باتیں غیر مستند ہیں۔ انھوں نے کہا سیدھے اسلام پر جمے رہو، تصوف پر عمل کر کے ٹھوکر کھا جاؤ گے۔ کتاب اور سنت پر اعتقاد رکھو، یہی کامل ہدایت ہے، اس بات میں تمھارا پروفیسر برحق ہے۔ نماز مسلمان کی معراج ہے۔ پچھلی اُمّتوں کی لمبی عبادتوں کا نماز ہی عطر ہے۔ نمازوں کو لمبی کر دو، برسوں کے ذکر و شغل کا منٹوں میں مزا آ جائے گا۔

ان زبان اور بیان میں بڑی نرمی تھی، لیکن میرے لیے کوئی بات باعثِ تسلی نہ ہوئی، کیونکہ میں کئی سال اسی دھن میں لگا رہا تھا۔ دفعتاً اپنے اعتقادات کو بدلنا آسان نہ تھا، یہاں سے اٹھا اور بھاگ لپک کر اپنے پیر بھائی کے پاس پہنچا۔ وہ شریعت اور طریقت کے شاہسوار مانے جاتے تھے اور فی الحقیقت بے شر شخص تھے۔ اپنی مشکل بیان کی۔ انھوں نے فرمایا: نقلی سند تو تسلی بخش نہیں، مگر یہ علم سینہ بہ سینہ پہنچا ہے، ہر شخص اس علم کا اہل نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص کو راز دار بنایا، اس طرح یہ طریقہ ہم تک پہنچا۔

یہ بات ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہو گئی۔ پروفیسر کو آ کر آخری بات کہی، اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا اور کہا کہ مجھ کو جھٹلانے کی کوشش میں اپنے پیغمبر پر بھی بہتان باندھنے لگے۔ پیغمبر کو خدا کا حکم ہو کہ میرے احکام کھول کھول کر بیان کرا اور وہ سینہ بہ سینہ بیان کرے۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا، میں نے گردن جھکا لی، میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ **(جاری ہے)**

سراپائے نبوّت

مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خطیبِ اعظم، بلبلِ بستانِ رسول، حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۳۹ء میں لدھا رام کیس سے بری ہو کر گھر تشریف لائے تو حضرت مولانا سید ابوذر بخاری مدظلہٗ نے یہ نعت اپنے قابلِ فخر اور یگانۂ روزگار والد کو سنائی اور بے حد داد پائی۔ حضرت مولانا ابوذر بخاری کی شاعری کی ابتدا اسی پاکیزہ نعت سے ہوئی، اللہ تعالیٰ، عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی اس نعت کو شرفِ قبولیت بخشے اور شاہ صاحب خدام الدین کے صفحات کو اپنے رشحات قلم سے نوازتے رہیں۔

(مطبوعہ ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور، ۳۰ر جولائی ۱۹۶۵ء)

چہ وصفِ محمدؐ کند مغزِ خامے — کہ بالائے فکر است او را مقامے
رُخِ مہر تابش چو صبح بہاراں — دہد جلوۂ خوش بہر خاص و عامے
رخش والضحیٰ گشت و واللیل گیسو — ایں صبح چہ صبح ایں شامے چہ شامے
لبِ شہد بارش ز موجِ لطافت — بہ تسنیم و کوثر دہد النظامے
لبش شکّرین و عذارش مہ و خور — دُرر پیش دنداں شدہ ہیچ فامے
ہم از مشکِ بنیرئ زلف سیاہش — غزالے ختن را معطر مشامے
اسیرِ دو زلفش ہزاراں دل و جاں — شہید دو چشمش چہ شاہ و غلامے
خط و خال و نقش و نگارِ نگارم — میسر بگیتی نظیرش کدامے
بحبلِ متینش پناہِ دو عالم — بزیرِ نگینش تمامی نظامے
زِ تحت الثریٰ تا بأوجِ ثریا — زند مرکبِ او بیک لحظہ گامے
بہ ہم بستگی ہائے طبعِ سلیمش — بہ بخشد امم را وفاق و دوامے
ہم از اضطرابِ جبینِ مبینش — ہمہ نظم و احکام نذرِ فصامے
صداقت مجسم ، امانت سراپا — لسانِ قدس ہم رسل را امامے
مراحم موصل مطاعِ خلائق — ملاذِ برایا شفیع انامے
جنودِ ملائک ہمہ ذات والا — رسانند ہر دم بروحش سلامے
دل حافظ اے ساقیٔ حوضِ کوثر — بماند ز بزمت چرا تشنہ کامے

ترجمہ: (صبیح ہمدانی)

۱: ناپختہ دماغ والا کوئی انسان وصفِ محمد (علیہ الصلاۃ والسلام) کیا کرسکتا ہے؟ جبکہ ان کا مقام عالی فکر وادراک سے بالاتر ہے۔

۲: ان کا سورج کی مانند روشن چہرہ بہار کی صبح کی مثال ہے۔ جو ہر خاص وعام کو اپنا خوب منظر نظارہ عطا کرتا ہے۔

۳: ان کا چہرہ والضحیٰ بن گیا ہے، اور ان کی زلفیں واللیل کا مفہوم ہیں۔ یہ (چہرے کی) صبح کیا روشن صبح ہے، اور یہ شام کیا حسین شام ہے۔

۴: ان کے شہد برسانے والے ہونٹ، اپنی لطافت کی موجوں سے، تسنیم اور کوثر کے پانیوں میں طغیانیاں پیدا کرتے ہیں۔

۵: ان کے لب مبارک دنیا میں مٹھاس پھیلانے کا ذریعہ ہیں، اور ان کے رخسار سورج کی طرح روشن ہیں۔ ان کے دندانِ مقدس کے سامنے موتی بالکل ہیچ فام اور کالعدم ہوجاتے ہیں۔

۶: ان کی سیاہ زلفوں نے وہ مشک بکھیری ہے کہ خُتن کے غزالوں کے مشام بھی خوشبو سے معطّر ہیں۔

۷: ان کی زلفوں کے دو حصوں میں ہزار ہا دل وجاں قید ہیں۔ اور ان کی دو آنکھوں نے..... کیا بادشاہ اور کیا غلام..... سب کو اپنا قتیلِ عشق بنا رکھا ہے۔

۸: میرے محبوب کے خط وخال اور نقش ونگار (کی کیا ہی بات ہے!) دنیا میں ان کی نظیر ومثال کہاں پائی جاتی ہے؟

۹: انھی کی مضبوط رسی کو تھام کر ہی دونوں جہانوں میں پناہ مل سکتی ہے۔ گویا سارا نظام ان کے نگینِ خاتم کے ماتحت ہی چل رہا ہے۔

۱۰: زمین کی گہرائیوں سے لے کر آسمان کے ستارے ثریّا کی بلندی تک، ان کی سواری کا جانور ایک لمحے میں ایک قدم کا سفر کرتا ہے۔

۱۱: ان کی طبعِ سلیم کی جمعیت اور اطمینان کی صفت نے امتوں اور قوموں کو ہمیشہ موافقت کے ساتھ رہنا سکھایا ہے۔

۱۲: اسی طرح ان کی روشن پیشانی پر بل آنے سے ہی سب نظم وانتظامِ کائنات درہم برہم ہوجاتا ہے۔

۱۳: وہ مجسّم سچائی ہیں، ان کا سارا وجود ہی امانت داری کا نمونہ ہے۔ وہ جبرائیل علیہ السلام سمیت سب انبیاء کے امام ہیں۔

۱۴: وہ رشتہ داریوں کو ملانے والے اور صلہ رحمی سکھانے والے ہیں، مخلوق ان کی بات مانتی ہے۔ وہ سب اہلِ زمین کے مأویٰ وملجأ ہیں، اور ایک جہان کے شفیع ہیں۔

۱۵: ذاتِ باری تعالیٰ کے فرشتوں کے لشکر کے لشکر ہر دم آپ کی روحِ پاک پر سلام بھیجتے ہیں۔

۱۶: اے ساقیٔ کوثر! (علیک الصلاۃ والسلام) حافظؔ کا دل، آپ کی بزم ومجلس سے پیاسا کیوں رہ سکتا ہے۔

کلٌّ من علیہا فانٍ

حکیم حافظ ارشاد احمد رحمہ اللہ

یہ مضمون امامِ اہلِ سنّت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ کی وفات (۲۳ راکتوبر ۱۹۹۵ء) کے موقع پر جناب حکیم حافظ ارشاد احمد مرحوم ومغفور نے تحریر کیا۔ مضمون کے مصنف بھی انتقال کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحب تحریر اور موضوعِ تحریر دونوں بزرگوں کی مغفرتِ کاملہ فرمائے۔ بطورِ یادگار مضمون شاملِ اشاعت ہے۔ (ادارہ)

حضرت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عرصہ چالیس سال سے اس بندۂ عاجز کی شناسائی تھی۔ آپ کے متعدد واقعات اور کئی واجب التقلید عظیم الشان کارنامے جو دل و دماغ میں چھپے ہوئے تھے آج ایک واضح نقشہ کی مانند آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ ہمارے قائد ورہبر تھے مگر بے تکلفی ایسی تھی کہ اگر بیان کی جائے تو افسانہ معلوم ہوگا۔ آہ صد آہ!

کون ہے جو تقدیر سے پوچھے کہ کیوں مر جاتے ہیں ایسے لوگ
جن کی باتیں جن کی یادیں بن جاتی ہیں دل کا روگ

قربِ قیامت ہے، فتنے کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں ایسے قدسی صفات برگزیدہ حضرات کا دنیا سے رخصت ہو جانا ہمارے لیے یقیناً غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ خطابت کے بادشاہ تھے، مؤرخ، محقق، عظمتِ صحابہ کی مظلومیت کی حقیقی وکالت کرنے والے اور تحفظ عقیدۂ ختم نبوت کے علم بردار تھے۔ وہ آج ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئے ہیں۔ آہ

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولٰکنّه بنیان قومٍ تهدّما

یعنی قیس کی موت کسی ایک شخص کی موت نہیں بلکہ وہ تو پوری قوم کی بنیاد تھا جو گر کر پاش پاش ہوگئی۔

عصرِ حاضر میں حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے علم وعمل کی نظیر تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ میں قیادت کے جملہ اوصاف موجود تھے۔ مجھے یاد آ رہا ہے، کہ آپ نے جب جریدہ ''مستقبل'' کا اجراء فرمایا تو حضرت امیر شریعت قدس سرہ کے دورۂ ضلع ڈیرہ غازی خان کے لیے راقم کو تقریباً ایک سو نسخہ برائے فروخت دیا۔ مگر میری طبیعت راستے میں خراب

ہوگئی اس لیے میں یہ جریدہ فروخت نہ کر سکا۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا آخری خطاب کوٹ مٹھن تھا تو میں نے عرض کی کہ حضرت میرے پاس حضرت حافظ جی کا جریدہ ''مستقبل'' برائے فروخت موجود ہے، میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اب آپ اپنے خطاب کے دوران اس کا تعارف کرادیں تا کہ یہ رسالہ فروخت ہو جائے۔ حضرت شاہ جی مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ مگر جب آپ کا خطاب شروع ہوا تو آپ نے ''مستقبل'' کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

''حضرات! میرے بیٹے سید ابوذر بخاری کا ایک علمی جریدہ ''مستقبل'' ملتان، برائے فروخت جلسہ گاہ میں ان کے ایک ساتھی کے پاس ہے۔ سید ابوذر بخاری جو اس رسالے کے مدیر ہیں عالمِ دین ہیں، حافظِ قرآن ہیں، شاعر و ادیب ہیں، مدرس و محقق ہیں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ ہیں اور میں کچھ نہیں ہوں''۔

تقریباً ۱۰۰ عدد شمارے آدھ گھنٹے میں فروخت ہو گئے۔ میں نے واپسی پر حضرت ابوذر بخاری کو حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے سنائے تو فرمایا: ''شفقتِ پدری نے یہ الفاظ استعمال کرائے ہیں''۔ آپ نے کئی بار میرے ذمے لگایا کہ تم نے ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی دوروں میں شرکت کی ہے، ان کے فرمودات اپنی روایت کے ساتھ قلم بند کر دو، میں وہ سب تمھاری روایت کے ساتھ شائع کر دوں گا۔ مگر وائے افسوس کہ میں حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی زندگی میں اس کی بھی تکمیل نہ کر سکا۔ حضرت ابوذر بخاری کی موت نے آج پھر سے پورے قافلہ اور کاروان کی یاد تازہ کر دی ہے۔ مفکر احرار چودھری افضل حق، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد گل شیر شہید، قائدِ احرار شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات فاتحِ قادیان، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، آغا شورش کاشمیری اور جانباز مرزا رحمہم اللہ اجمعین اور ہزاروں رضا کارانِ احرار آج میرے سامنے ہیں اور میری یادیں ان کے کارناموں اور تقریروں سے منوّر ہیں۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

سنتے تھے کہ حضرت مولانا سید ابوذر بخاری کسی کی اختلافی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، مگر قریب ہوئے تو پتا چلا یہ سب ان کے خلاف بعض مذہبی اجارہ داروں کا پروپیگنڈہ تھا۔ ہم نے کئی بار حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ سے اختلاف کیا اور آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے نہ صرف سنا بلکہ خود ان اختلافی نوٹس کو لکھتے رہے، غور فرمایا اور اس بارے میں بڑے پیار اور دلائل سے ہمیں اچھی طرح سمجھایا۔

اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

آپ بحیثیت انسان ناراض بھی ہو جاتے اور اس ناراضی کی بھی کوئی معقول وجہ ہوتی تھی، مگر تھوڑی دیر بعد بڑی

شفقت ومحبت سے مہربان ہوکر منا لیتے۔آپ کی وفات کا یقین بھی نہیں آ رہا مگر کب تک۔منقول ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے برادرِ محترم سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے وقت بڑے اندوہناک طریقے میں یہ اشعار پڑھے:

وكنّا كندمانَي جُذيمة حقبةً
من الدهر حتّى قيل لن يتصدَّعا
فلمَّا تفرَّقنا كأنّي ومالكاً
لطولِ اجتماعٍ لم نبت ليلة معا

اور ہم جذیمہ کے دو ہم نشینوں کی طرح کافی زمانہ اکٹھے رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب وہ جدا نہ ہوں گے۔لیکن جب موت نے ہمارے درمیان جدائی ڈال دی تو ایسے معلوم ہونے لگا کہ اس طویل اجتماع کے باوجود گویا میں نے اور مالک نے ایک رات بھی اکٹھے بسر نہیں کی۔(جذیمہ الابرش ایک بادشاہ تھا جس کی مجلس میں دو لوگ ہمیشہ ساتھ ساتھ حاضر رہتے تھے، جن کے نام مالک اور عقیل تھے)۔

رات دن لوگ زیرِ زمیں چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم تہہِ خاک تماشا کیا ہے

not found.

دشتِ وفا کا راہی

حبیب الرحمٰن بٹالوی

شہید ذوالکفل بخاری 15 رنومبر 2009ء کو مکہ مکرمہ میں ایک کار کے حادثے میں جان ہار گئے۔ اُن کی جدائی کا غم نوکِ سوزن کی طرح ہمیشہ میٹھا میٹھا درد دیتا رہے گا۔ اُسی درد کا حاصل، چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں نذرِ قارئین ہے۔

وہ شہسوارِ علم تھا اور صاحبِ کردار تھا
دوستوں کے درمیان اک یارِ طرح دار تھا
گنجینۂ اسرار تھا اور دولتِ بیدار تھا!
اخّاذ فطرت شاعر تھا اور صاحبِ معیار تھا
پیار، امن، آشتی گھُٹّی میں پڑی تھی
افکار، ہمہ گیری اس کی جیبی گھڑی تھی
اسلم انصاری، خالد مسعود، عبدالرب نیاز
مشفق خواجہ، ہاشمی، اور ایاز
تھا دائرۂ احباب کا ایک وہ محور
اپنا ہو پرایا، بد و نیک، وہ محور
ماہِ خوش نصیب تھا وہ دیدہ ور جواں
گھمبیر سی دوپہر کا عجیب سا سماں
مکّہ سے لَو لگانے کی وہ خواہشیں لیے
شگفتگی، وابستگی کی بارشیں لیے
''عزیزیہ'' کی راہوں میں وہ جا کے کھو گیا
زمیں اوڑھ کے وہ ''جنتِ معلیٰ'' میں سو گیا
''میدانِ عرفات'' کی مٹی میں اس کا خوں
وہ ہے مکینِ خُلدِ بریں اور کیا کہوں
وہ رہ نوردِ شوق تھا منزل کو پا گیا
موجوں سے کھیلتا ہوا ساحل پہ آ گیا

استاد جی

حبیب الرحمٰن بٹالوی

ہاشمی گھرانے کا وہ چمکتا ہوا ہالہ
وہ گوہر یکتا تھا ، موتی لُولُوئے لالہ
حصارِ پُر بہار میں وہ خوبرو ''مُنّا''
اک ''صادقہ بی بی'' نے جسے گود میں پالا

☆.....☆.....☆

اک شہرِ بے مثال کا راہی عجیب تھا
خود دار تھا، عظیم تھا وہ خوش نصیب تھا
ہم سب اسے ''اُستاد جی'' کہتے تھے برملا
عُشّاق کا محبوب تھا، دلبر حبیب تھا

☆.....☆.....☆

مختصر سی زندگی میں کیا کام کر گیا
نور، رنگ، روشنی وہ عام کر گیا
دامنِ حیات کو پھولوں سے بھر کے وہ
ذوالکفل شاہ، وہ پارسا وہ نام ور گیا

☆.....☆.....☆

ایک احمدی کو کیا کرنا چاہیے؟ خطبہ الہامیہ بطور مثال

تحریر: عکرمہ نجمی، ترجمہ: صبیح ہمدانی

یہ گفتگو بطورِ خاص احمدیوں کے لیے ہے، خواہ وہ پیدائشی احمدی ہوں یا نو مبائع۔ یہ بات سب کے لیے واضح ہے کہ حق سچ کی بات طاقت ور ہوتی ہے، وہی پیروی کے لائق ہوتی ہے اور باطل کے دھوکوں کے سامنے اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ طاقت ور مومن اللہ کے ہاں کمزور مومن سے بہتر ہے، ایسے ہی اپنے آپ کو مومنین کی اکلوتی جماعت اور فرقہ ناجیہ قرار دینے والوں سے بھی یہی تقاضا ہے کہ وہ غور وفکر اور تحقیقِ حق سے نہ کترائیں اور اپنے معتقدات پر نظر ثانی کرنے کی جرأت پیدا کریں۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کس جماعت میں پیدا ہوئے ہیں، بلکہ جب آپ حق و باطل اور شعور و جہالت میں فرق کرنا شروع کرتے ہیں تو اصل شرط یہ ہے کہ جس بات کو آپ پیدائش سے سچائی سمجھتے ہیں اس کو صحیح طرح سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ پھر حق کو اپنا اسلوب وطرزِ زندگی بنائیں اور استقامت کے ساتھ اس پر گامزن ہو جائیں، اس طرح کہ آپ کے اعمال آپ کے دل میں موجود عقائد کی بالفعل تصدیق کرتے ہوں۔ لہذا آپ کا کسی خاص مذہبی جماعت کا بیعت فارم پر کر کے اس کا پیروکار ہو جانا ہرگز یہ مطلب نہیں رکھتا کہ اب آپ کے لیے تحقیق کرنا ممنوع ہو چکا ہے، یا جو عقائد آپ اب رکھتے ہیں یا جن پر آپ کی پرورش ہوئی ہے ان کی تصدیق و تحقیق اور ان پر غور و تدبر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہر تحقیق ہر جستجو آپ کے ایمان میں پہلے سے زیادہ پختگی اور وثوق پیدا کرے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ حق وضاحت و روشنی کا نام ہے جبکہ باطل میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہمیشہ برقرار رہ سکے۔ کیا ایسے کمزور اور ناپائیدار باطل کے سامنے قوی و طاقتور حق کے بارے میں کچھ خوف ہو سکتا ہے؟ کیا ایسی ''خدا تعالیٰ کی محبوب'' جماعت کے بارے میں کوئی ڈر ہو سکتا ہے جو کہ (اپنے دعووں کے مطابق) ''خدا تعالیٰ کی طرف سے'' ہے۔ اور جس جماعت کے ارکان دن رات کی ہر گھڑی ان دعووں کو دہراتے رہتے ہیں۔

کیا ''خدا تعالیٰ کی قائم کردہ'' سچی جماعت کے بارے میں یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کے مخالفین بانیٔ سلسلہ کی غلط بیانیوں اور افتراء کو ثابت کر سکیں؟ آج تک کتنے ہی لوگوں نے اسلام پر لاتعداد حملے کیے اور ان گنت شبہات و افتراءات پیش کیے مگر ان میں سے کتنے ثابت کیے جا سکے؟ بلکہ رسول رحمت رسول کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر ایک بھی دھبہ نہیں لگایا جا سکا۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے درحقیقت تائید یافتہ جماعت .....جیسا کہ جماعت احمدیہ کا دعویٰ ہے.....ایسی ہونی چاہیے کہ اس پر اور اس کے بانیٔ سلسلہ پر کوئی شبہہ و اعتراض ثابت نہ ہو سکے۔ خاص طور پر اس وجہ

سے بھی کہ بانیٔ سلسلہ نے دعوائے نبوت بھی کر رکھا تھا، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یقینی حفاظت کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔

جب کوئی احمدی اپنے عقیدے کے بارے میں متذبذب ہو کر از سرِ نو غور کرنے لگتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک دشوار ترین وقت ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ ان عقائد کے بارے میں وہ سنجیدگی سے یقین رکھتا ہو، ان کے مطابق زندگی گزارتا ہو، انھی پر اس کی پرورش ہوئی ہو بلکہ اب بھی ہو رہی ہو، وہ اس عقیدے کی لوگوں میں تبلیغ کرتا ہو اور اس کام میں اپنی صلاحیتوں کو کھپانا پسند کرتا ہو۔ ایسا شخص اعتراضات کا مطالعہ صرف اس وجہ سے کرنا شروع کرتا ہے تا کہ وہ اطمینانِ قلب حاصل کرے اور دوسرے لوگوں کی مدد کر کے ان کو بھی مطمئن کرے۔ مگر اس دوران اسے بہت بڑے بڑے مصائب سے دو چار ہونا پڑتا ہے، اور بالآخر اس کو ادراک ہوتا ہے کہ جماعت میں رہتے ہوئے کی ہر بات ایک بڑے اور لمبے دھوکے کا حصہ تھی۔

میں نے جماعتِ احمدیہ ترک کرنے کا اعلان کیا تو اس میں بھی یہ ذکر کیا کہ پروفیسر ہانی طاہر کی جانب سے بانیٔ سلسلہ پر اٹھائے جانے والے اعتراضات وشبہات کا شافی جواب دینے کے لیے مجھ سے خلیفہ خامس نے بذات خود تحقیق کرنے کا تقاضا کیا، تو اس وقت سب سے پہلے مجھے بھی عربی زبان کے حوالے سے ہی شبہات درپیش ہوئے تھے۔ اس لیے کہ میں اپنے احمدیت کے زمانے میں بانیٔ سلسلہ کی عربی تحریرات سے بے تحاشا متاثر تھا، خاص طور پر مجھے (مرزا صاحب کے لکھے ہوئے) ''خطبہ الہامیہ'' سے ذاتی شغف اور دلی تعلق تھا۔

چنانچہ عربی زبان کے حوالے سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لینے کے لیے سب سے پہلے میں نے ''خطبہ الہامیہ'' کا ہی انتخاب کیا تھا۔ میرے لیے یہ ایک خوفناک حادثہ تھا جب میں نے اس ''خطبہ الہامیہ''.....جس کے بارے میں فرض یہ کیا گیا ہے کہ وہ الہام اور خدا تعالیٰ کی جانب سے براہِ راست وحی پر مشتمل ہے.....میں نے اس خطبے میں نحوی ولغوی نوعیت کی متعدد غلطیاں دیکھیں۔ اس سے زیادہ پریشان کن اور ہولناک صورت حال یہ تھی کہ میرے سامنے سرقے اور ادبی چوریوں کی مثالیں آ رہی تھیں اس عبارت میں جس کو میں اب تک وحی الٰہی مانتا رہا تھا۔ معاذ اللہ! خدا تعالیٰ کی وحی اور اس میں سرقہ اور ادبی چوری؟

پس ایک طرف تو بحیثیت ایک احمدی بانیٔ سلسلہ کے خیالات کو خدا تعالیٰ کی وحی قرار دینا اور دوسری طرف اس میں پائے جانے والے اشکالات، لغوی غلطیاں، ادبی سرقے، خدا تعالیٰ کی شان میں سوئے ادب اور اللہ تعالیٰ کی طرف کمزوری اور لایعنی کو منسوب کرنے کا عمل، یہ سب میرے نزدیک انتہائی نوعیت کے جرائم کے درجے کی چیز تھی۔

یہاں میں ''خطبہ الہامیہ'' سے ان باتوں کی چند مثالیں ذکر کرنا چاہوں گا:

لغوی کمزوریاں اور نحوی غلطیاں:

۱: وإنَّما طُبِع فی مطبع ضیاء الإسلام

(صحیح: طُبِعت) چونکہ ہندستانی زبانوں، اردو پنجابی وغیرہ میں خطبہ مذکر ہے اس لیے مرزا صاحب نے سمجھا عربی میں بھی مذکر ہوگا۔ اس لیے خطبہ کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ جبکہ عربی میں خطبہ مؤنث ہے اس لیے اس کے لیے مؤنث کا صیغہ لانا واجب تھا۔

۲: فمن العجب أنَّ علماء الإسلام اعترفوا بأن الیهود الموعودون فی آخر الزمان لیسوا یهودا فی الحقیقة.

(صحیح: الموعودین) موصوف اور صفت میں اعراب کے اعتبار سے مطابقت ہوتی ہے۔ پیچھے اَنَّ مشبَّہ بالفعل موجود ہے اس کی وجہ سے موصوف پر نصب تھی اور صفت کو بھی منصوب ہونا چاہیے تھا۔ مگر مرزا صاحب ایک لفظ پہلے کی بات بھول گئے اور موصوف کے منصوب ہونے کے باوجود اس کی مرفوع صفت لے آئے۔

۳: وإذا غلب المسیح فاختتم عند ذلک محاربات کلها التی کانت جاریة بین العساکر الرحمانیة والعساکر الشیطانیة.

(صحیح: المحاربات) موصوف نکرہ ہے جبکہ صفت معرفہ لائی گئی ہے۔ حالانکہ موصوف اور صفت میں معرف ہونے کے اعتبار سے مطابقت لانا واجب ہے۔

۴: وکذلک یکون حربهم بالمواد الناریات.

(صحیح: الناریة) جمع غیر ذوی العقول واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے۔ اس کی صفت بھی واحد مؤنث آتی ہے۔ یہ بات دینی مدارس کے پہلے سال میں پڑھنے والے چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں۔

۵: فلا شک أنَّه ما أوصی إلا لرجل کان لم یره.

(صحیح: لم یکن رآہ) غلط اور غیر بلیغ تعبیر۔ عربی زبان کے ذوق کے نہ ہونے کی دلیل۔

۶: ففکِّر إن کنت ما مسَّک طائف من الجنَّة.

(صحیح: إن لم یکن مسَّک) پچھلی غلطی کی طرح۔

۷: لأنَّ الله قدَّر أنَّه یجمع الفِرَق المتفرِّقة فی هذا الیوم.

(صحیح: أنْ یجمع) اَن مصدر یہ کی جگہ اَنَّ مشبّہہ بالفعل کا بلاضرورت استعمال۔اس بات کی واضح دلیل کے اس خطبے کو لکھنے والا عربی زبان کی بالکل ابتدائی اور سطحی واقفیت رکھتا ہے۔

۸: وقد وعد الله أنَّه یمسک النفس التی قضی علیه الموت.
(صحیح: أنْ یمسک) پچھلی غلطی کی ایک اور مثال۔

۹: وإن هم إلّا کالصور لیس الروح فیهم.
(صحیح: لا روح فیهم) لائے نفی جنس کی جگہ لیس فعل ناقص کا استعمال۔

۱۰: وأعطی له الکلام الفصیح.
(صحیح: أعطاه) أعطی بذات خود متعدی ہوتا ہے، اسے لام حرفِ جار کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۱: هذا ما أشیر إلیه فی الفاتحة، ما کان حدیثٌ یفتریٰ.
(صحیح: حدیثاً) کانَ وغیرہ افعال ناقصہ کی خبر ہمیشہ منصوب ہوتی ہے۔ یہاں مرزا صاحب کو کان کا اسم لفظوں میں نظر نہیں آیا تو خبر کو ہی اسم سمجھ کر مرفوع کر دیا۔ یہ غلطی انتہائی سنگین ہے۔ کیونکہ یہ درحقیقت قرآن مجید کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جسے مرزا صاحب نحوی اعتبار سے یکسر غلط لکھ گئے ہیں۔

۱۲: ومضیٰ من هذه المائة خمسها إلا قلیلٌ من السنین.
(صحیح: قلیلاً) مستثنیٰ کے اعراب کی پہلی صورت ہے، جہاں مستثنیٰ پر نصب لانا واجب ہوتا ہے۔مگر مرزا صاحب اس کو مرفوع لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہندستان میں علم نحو کی بنیادی اور ابتدائی ترین کتابوں میں یہ قاعدہ لکھا ہوا ہے۔

۱۳: فیکون هذا المثل عبثاً وکذباً لیس مصداقُه فردٌ من أفراد هذه الملّة.
(صحیح: فرداً) لیس کی خبر کو مرفوع کرنا نحوی اعتبار سے انتہائی کمزور ترین علمیت کی دلیل ہے۔

۱۴: ثُمَّ إنَّ بعدهم قومٌ یشهدون ولا یُستشهدون.
(صحیح: قوماً) غالباً مرزا صاحب نے ''بعد'' کو اِنَّ کا اسم سمجھ لیا ہے۔حالانکہ ہدایۃ النحو پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ اسم ظرف کبھی مسند الیہ نہیں ہوسکتا، چنانچہ شروع میں آنے کے باوجود وہ اِنَّ کی خبر ہوگا، اور قوم اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب لانا واجب ہے۔

۱۵: وإنَّ معی قادرٌ لا یبرحُ مکانی حفظَتُه.
(صحیح: قادراً) پچھلی غلطی کی ایک اور مثال۔

۱۶: وكان هذا وعدٌ من الله في التوراة والإنجيل والقرآن.

(صحیح: وعداً) کان کی خبر کو مرفوع لایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس روز مرزا صاحب کے عربی کے استاد نے کان وغیرہ اور إنَّ وغیرہ کے اسم وخبر کا سبق پڑھایا اس روز مرزا صاحب کی طبیعت بالکل حاضر نہیں تھی ورنہ ایسی فاش اور بچگانہ غلطیاں کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۱۷: بل هو يجري تحت مجاري الأوامر الشريعة الفطرية وفتاوى القوة القدسية ولا يميل عن الاعتدال.

(صحیح: أوامر) اضافت معنویہ میں مضاف پر الف لانا انتہائی بے ہودہ غلطی ہے۔

۱۸: ومن أنكر من أنَّ بعث النبي صلى الله عليه وسلم يتعلَّق بالأف السادس كتعلُّقه بالألف الخامس.

(صحیح: من کو حذف کر دیا جائے یہاں بالکل بے معنی ہے)

۱۹: وإذا قيل لهم: بادروا الخير أيُّها الناس!

(صحیح: بادروا إلى الخير) یہ فعل بغیر حرف جر کے متعدی نہیں ہوتا۔

۲۰: وتقولون: ليس ذكر المسيح الموعود في القرآن، وقد ملئ القرآن من ذكره، ولكن لا يراه العمون.

(صحیح: لم يذكر) غلط اور غیر فصیح تعبیر۔

۲۱: فقد أُمر له أن يتبع الشريعة الفطرية.

(صحیح: لہ کو حذف ہونا چاہیے تھا) أمر بھی بغیر حرف جر متعدی ہوتا ہے۔

۲۲: وإنَّ القصص لا تجري النسخ عليها كما أنتم تقرُّون.

(صحیح: لا يجري) نسخ کو مؤنث سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ عربی میں تو مذکر ہے ہی، اردو پنجابی وغیرہ میں بھی مذکر بولا جاتا ہے۔

۲۳: كلامٌ أفصحت من لدن ربٍّ كريم.

(صحیح: أفصح) کلام کا لفظ مذکر ہے۔ لیکن مرزا صاحب نے مؤنث سمجھا۔ غالباً اسے پنجابی کی ''گل بات'' سمجھا ہوگا۔

۲۴: ويكثر المحاربات على الأرض.

(صحیح: وتکشر) محاربۃ مؤنث ہے۔اوراس بات کوعربی زبان کی بنیادی شدھ بدھ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ جن اسموں کے آخر میں گول تاء ہو وہ بالعموم مؤنث ہوتے ہیں، مگر مرزا صاحب اس کو مذکر لکھ رہے ہیں۔

۲۵: وینادی الطبائع السلیمۃ للاھتداء.

(صحیح: تنادی) مؤنث کو مذکر لکھنے کی ایک اور مثال۔

۲۶: فیجتمع فرق الشرق والغرب.

(صحیح: فتجتمع) پچھلی غلطی کی ایک اور مثال۔

۲۷: لیدلَّ الصورۃ علی معناھا.

(صحیح: لتـــدلَّ) ایک اور مثال جہاں مؤنث کو مذکر لکھا گیا ہے۔معلوم ہوتا ہے مرزا صاحب مریم اور ابن مریم بیک وقت بننے کے چکر میں جنس کے فرق کو بالکل ذہن سے نکال چکے تھے اسی لیے مذکر اور مؤنث میں فرق نہیں کر پا رہے۔

۲۸: ولا تجری علی ألسنھم إلا قصصٌ نحتت آباؤھم.

(صحیح: نَحَتَھا) فعل معروف ہمیشہ فاعل کے مطابق آتا ہے۔نہ کہ مفعول کے مطابق۔مرزا صاحب بھول گئے کہ وہ پنجابی نہیں عربی لکھ رہے ہیں۔اور اس پر مستزاد دعوائے الہام بھی ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کے عقل خبط کر کے اس طرح سرِ بازار رسوا نہ کرے۔

۲۹: فھناک تجزی النفس بالنفس والعرض بالعرض وتشرق الأرض بنور ربِّھا وتھوی عدوُّ صفیِّ اللہ.

(صحیح: ویھوی) یہاں مذکر کو مؤنث بنا دیا گیا ہے۔

۳۰: وفی ھذہ الحالۃ یکون الإنسان مستھلکۃ الذات غیر تابع لأمر النفس.

(صحیح: مستھلک) یہاں خود انسان کو ہی مؤنث بنا دیا گیا ہے۔

۳۱: ولیس لی مقامی عندہ بظاھر الأعمال ولا بأقوال.

(صحیح: لی کی ضرورت نہیں ہے۔بے مطلب ہے، اسی طرح ''الأعمال'' پر ''الـ'' نہیں ہونا چاہیے)

اس طرح کی بچگانہ اور سطحی غلطیوں کے بعد (مجھ سمیت) کسی احمدی کے لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اس خطبے کو اللہ احکم الحاکمین کی پاک وحی کی طرف منسوب کرنے کی جرأت کر سکے؟ (غلطیوں کی تشریح، مترجم کی جانب سے ہے)

لمز یونیورسٹی میں قادیانیت نے پنجے گاڑنے شروع کر دیے

عظمت علی رحمانی

لمز یونیورسٹی میں قادیانیت نے پنجے گاڑنے شروع کر دیئے۔ واضح رہے کہ یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر تیمور الرحمان نے طلبا و طالبات کے ایک گروپ ''رنگ'' نامی این جی او کے زیر انتظام، ربوہ میں قادیانی مرکز کا دورہ کرایا تھا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ قادیانیت کے پرچار پر آئینی پابندی کے باعث اب قادیانیت کی جانب راغب کرنے کیلئے این جی اوز کو استعمال کر کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے طلبہ تک رسائی حاصل کی جا رہی ہے۔ علمائے کرام نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایسے واقعات پر پابندی کا مطالبہ کیا ہے۔

لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنس (لمز) کے ڈپارٹمنٹ ہیومنٹیز اینڈ سوشل سائنس کے اسسٹنٹ پروفیسر تیمور الرحمان کی جانب سے یونیورسٹی میں طلبا و طالبات کا ایک گروپ تیار کیا گیا، جس کے بعد ''رنگ'' نامی این جی او کے ذریعے ان طلبہ کا دورہ ربوہ میں قادیانیوں کے مرکز کا کرایا گیا جس کو مطالعاتی دورہ کا نام دیا گیا تھا۔ اس دورے میں قادیانی مرکز میں طلبہ کو پروجیکٹر کے ذریعے قادیانیوں کی سرگرمیاں دکھائی گئیں۔ گمراہ کرنے کیلئے نام نہاد رفاعی پروگرام بھی بتائے گئے جبکہ قادیانیوں کے تعلیمی بورڈ، نظارت کی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی معلومات دی گئیں اور طلبہ کو اس کی سی ڈیز بھی فراہم کی گئیں۔

واضح رہے کہ اس حوالے سے جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ لمز کے طلبہ کا ربوہ کا دورہ کرنا قابل تشویش ہے اور قادیانی، آئین پاکستان کو تسلیم کر لیں بصورت دیگر وہ ہمارے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ اس پر قادیانیوں کی جانب سے بیان جاری کیا گیا کہ لمز یونیورسٹی کے طلبہ کا ربوہ کا دورہ کرنے کے بعد سراج الحق نے قادیانیوں کے بارے میں نفرت بھرا بیان دیا ہے۔ قادیانیوں کی نشریاتی ادارے کا کہنا تھا کہ ''لمز یونیورسٹی کے طلبہ نے ربوہ کا دورہ کیا کر لیا، گویا ایک طوفان سا برپا ہو کر رہ گیا ہے۔ پاکستان میں ساری مذہبی جماعتیں ہمارے خلاف ہر وقت ہی نفرت پھیلاتی رہتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی بیان جماعت اسلامی کے امیر مولانا سراج الحق نے بھی دیا ہے۔'' قادیانیوں کے اس نشریاتی ادارے نے اس دورے پر تبصرہ کرنے والے اور یا مقبول جان کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور انہیں شدت پسند صحافی سے تشبیہ دی ہے۔

ذرائع کا کہنا ہے گزشتہ کچھ عرصہ سے قادیانیوں کی جانب سے بعض این جی اوز کے نام پر اپنے لوگوں کو

اسائنمنٹ دیئے جاتے ہیں اور جس کے ذریعے عوام اور طلبہ کو گمراہ کن معلومات ذہن نشین کرائی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اب مختلف تعلیمی اداروں میں گھسنے کیلئے مطالعاتی دورے کے نام سے باقاعدہ پرچار مہم چلائی جارہی ہے۔ اسی طرح کی ایک سرگرمی اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ کے ساتھ بھی کی گئی تھی اور اب لمز کے اسسٹنٹ پروفیسر جوگلوکار بھی ہیں، ان کے ذریعے کی گئی۔

اس حوالے سے مجلس احرار اسلام کے سیکریٹری جنرل مولانا عبداللطیف خالد چیمہ کا ''امت'' سے بات کرتے ہوئے کہنا تھا کہ ''قادیانیوں کو کیونکہ اپنے گمراہ کن عقائد کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے اور وہ قانونی طور پر ایسا نہیں کرسکتے، اس لئے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ این جی اوز کے ذریعے اعلیٰ تعلیمی اداروں تک کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کریں۔ اس کے بعد مختلف ناموں سے ایم او یو، سائن کرتے ہیں اور پھر طلبہ کے مطالعاتی دوروں کے نام پر اپنی سرگرمیاں بھی جاری رکھتے ہیں۔''

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما مولانا اکرم طوفانی کا کہنا تھا کہ ''قادیانیوں کی جانب سے پرحربہ استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح عوام کے ذہن میں ابہام پھیلائیں اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز بیانات منسوب کرکے ذہنوں کو تذبذب کا شکار بنائیں اور پھر انہیں اپنی جانب راغب کریں۔ یہ طریقہ کار ان کا پرانا ہے کہ این جی اوز کو استعمال کریں۔ گزشتہ تقریباً ایک دو برس سے این جی اوز کے ذریعے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں قادیانیوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی ہیں۔ اسی طرح قادیانیوں نے اسپتال بنا کر بھی غریب اور بیماروں کو ذہنی بیمار بنانے کی بھی مہم شروع کررکھی ہے۔ تاہم ہم نے ہر میدان میں انشااللہ ان کو شکست دینی ہے۔'' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت خیبر پختون کے امیر مفتی شہاب الدین پوپلزئی کا کہنا تھا کہ ''قادیانیوں نے خیبر پختون میں بھی ایسا کرنے کی کوشش کی۔ تاہم ان کی ہر کوشش کو ناکام بنایا گیا ہے۔ اب یہ این جی اوز کے ذریعے سے تعلیمی اداروں میں آتے ہیں اور یونیورسٹی انتظامیہ کو ان کے طریقہ واردات کا علم نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے سادہ لوح لوگ ان کے ہاتھوں استعمال ہوجاتے ہیں۔''

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے رہنما مولانا بدر عالم چنیوٹی کا کہنا تھا کہ ''ہماری حکومت سے اور بالخصوص وزیر مذہبی امور پیر نورالحق قادری اور وزیر تعلیم شفقت محمود سے درخواست ہے کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں قادیانیوں کی ان سرگرمیوں کا نوٹس لیں۔ جامعات میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے اور یونیورسٹی کے منتظمین کو پابند کیا جائے کہ وہ آئندہ کسی بھی این جی او کے ذریعے طلبہ کے مطالعاتی دورے کی پہلے مکمل تفصیل لیں اس کے بعد ہی طلبہ کو اجازت دیں۔'' **(روزنامہ ''اُمت'' کراچی 21۔اکتوبر 2018ء)**

مسافرانِ آخرت

ادارہ

سید غلام مصطفیٰ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (تحریر: سید محمد کفیل بخاری) آپ علاقہ دین پور (عبدالحکیم، ضلع خانیوال) کی معروف دینی اور سماجی شخصیت تھے۔ ۱۹۴۴ء میں میرے دادا حضرت سید محمد شفیع شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب رحمۃ اللہ میرے چچا اور سسر تھے۔ قائدِ احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ کے برادرِ نسبتی اور سید عطاء المنان بخاری کے ماموں تھے۔ یکم اکتوبر کو طبیعت کچھ ناساز ہوئی، تین دن اپنے دوست اور معالج ڈاکٹر عبدالستار صاحب کے زیرِ علاج رہے، طبیعت زیادہ بگڑنے پر ۴/اکتوبر جمعرات کو ملتان کے ایک مقامی ہسپتال میں داخل ہوئے اور ۲۷/ محرم ۱۴۴۰ھ/۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز پیر شام ۵ بجے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انھوں نے حفظ قرآنِ کریم حافظ واحد بخش رحمہ اللہ (مدرس مسجد پیر مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ) سے حفظ کیا۔ کچھ اسباق حضرت حافظ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھے۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں علاقے کے معروف عالم اور طبیب حضرت حافظ غلام قادر رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ حافظ غلام قادر رحمہ اللہ علاقے کی معروف سیاسی شخصیت اور بہت بااثر تھے۔ ان کی تربیت نے سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب مرحوم کو سیاسی اور سماجی میدان میں بھی بااثر اور باعزت بنا دیا۔ انتخابات میں جس امیدوار کی حمایت کرتے وہ کامیاب ہو جاتا۔

جید حافظ قرآن تھے، روزانہ تلاوتِ قرآن ان کا معمول تھا۔ اہتمام اور پابندی سے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے۔ فجر کے بعد اشراق تک مسجد میں رہتے۔ تلاوت اور نوافل کے بعد گھر تشریف لاتے۔ رمضان المبارک میں کئی محراب سنائے اور اب آخر عمر میں امام تراویح کے سامع بنتے۔ آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ دو بیٹے مولانا سید عمر مجتبیٰ اور مولوی سید جواد علی حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم ہیں۔ دوسرے نمبر پر سید حماد ولی زمیندارہ کرتے ہیں، انھیں بھی نماز، روزہ اور دیگر دینی اعمال کا پابند بنایا۔ بڑی بیٹی میری اہلیہ ہیں اور سب سے چھوٹی بیٹی بھی ماشاء اللہ حافظہ اور عالمہ ہیں۔ غرض اپنی تمام اولاد کو دین کی طرف ہی لگایا اور آخرت کا سامان بنایا۔ عبدالحکیم شہر میں صابری مسجد (تبلیغی مرکز) سرپرست و نگران تھے۔ اسی طرح کئی مدارس و مساجد کی سرپرستی کرتے تھے۔ اپنے علاقے کے لوگوں کے مسائل حل کرنے میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ پنچایت میں اُن کے فیصلے حامی اور مخالف دونوں تسلیم کرتے تھے۔ کئی لوگوں کی امانتیں اُن کے پاس رکھی ہوتی اور بعض مستحق خاندانوں کی مالی خدمت بھی کرتے تھے۔ بہت مہمان نواز تھے۔ مہمان کے آنے پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے اور خوب تواضع کرتے۔

آخری وقت اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بآواز بلند پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پاس موجود تینوں بیٹوں اور خاندان کے دیگر افراد کو گواہ بنا گئے اور یہ اُن کا آخری کلام تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، خطائیں معاف فرمائے اور حسنات قبول فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ حدیث پاک میں ہے جس نے آخری کلام لا الٰہ الا اللہ کیا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس حدیث پاک کا مصداق بنائے۔ ہم سب اہلِ خاندان شدید صدمے میں ہیں،

دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

قاضی فیض احمد رحمہ اللہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے بزرگ رکن حضرت خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے مرید خاص قاضی فیض احمد 15۔اکتوبر پیر کوٹو بہ ٹیک سنگھ میں انتقال فرما گئے، مرحوم کی نماز جنازہ 16۔اکتوبر منگل کو بعد نماز ظہر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری نے پڑھائی، نماز جنازہ میں حضرت مولانا عزیز احمد (خانقاہ سراجیہ)، مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی، مولانا ظفر احمد قاسم، مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، رانا محمد انور، ڈاکٹر دین محمد فریدی اور دور ونزدیک سے علماء کرام، خطباء عظام، دینی وسیاسی جماعتوں کے کارکنوں اور شہریوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی، مجلس احرار اسلام پاکستان کی نمائندگی جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے کی، حافظ محکم الدین، چودھری محمد نذیر، حافظ محمد اسماعیل، حاجی عبدالکریم قمر، مولانا محمد سرفراز معاویہ، حافظ محمد سلیم شاہ اور دیگر احرار ساتھیوں نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے قاضی صاحب مرحوم کے فرزندان قاضی امتیاز احمد، قاضی انوار الحق اور مولانا قاضی احسان احمد سے تعزیت کا اظہار کیا، مرحوم قاضی فیض احمد اکابر احرار وختم نبوت کی یادداشتوں کے امین تھے، حضرت خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کا اس علاقے میں مرکزی قیام اِنہی کے ہاں ہوتا، مہمان نوازی مثالی تھی، اکابر کا ذکر کر کے دوستوں کو رُلا دیتے تھے، جناب عبداللطیف خالد چیمہ کے ساتھ خصوصی محبت وشفقت کا معاملہ تھا جس کی وجہ خانقاہ سراجیہ، حافظ عبدالرشید رحمہ اللہ کی نسبت اور تحفظ ختم نبوت واحرار کا کام تھا، اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، حسنات قبول فرمائیں اور سیئات سے درگزر فرمائیں۔

★ حضرت مولانا عزیز احمد دامت برکاتہم (خانقاہ سراجیہ) نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے داماد ملک قیصر سہیل 21/اکتوبر کو انتقال کر گئے۔ مجلس احرارِ اسلام کے امیر حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ، سیکرٹری جنرل جناب عبداللطیف خالد چیمہ اور سیکرٹری نشر واشاعت ڈاکٹر عمر فاروق احرار نے حضرت مولانا عزیز احمد مدظلہٗ اور حضرت مولانا خلیل احمد دامت برکاتہم سے اظہارِ تعزیت ودعاءِ مغفرت کی، سید محمد کفیل بخاری اور شاکر خان صاحب نے خانقاہ سراجیہ حاضر ہو کر نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور اظہارِ تعزیت کیا۔

★ عالمی مبلغ ختمِ نبوّت حضرت عبدالرحمٰن باوا (لندن) کی ہمشیر اور مولانا سہیل باوا کی پھوپھی صاحبہ، انتقال: 21/اکتوبر 2018ء

★ مجلس احرار اسلام کے مخلص کارکن چودھری محمد حنیف مرحوم (بستی گاہی ماہی، شہباز پور، صادق آباد) انتقال: 21/اکتوبر 2018ء

★ مجلس احرار اسلام (ٹب چوہان، رحیم یار خان) کے مخلص کارکن جناب محمد نذیر مرحوم، انتقال: 23/اکتوبر 2018ء۔ مرحوم، احرار کارکن جناب محمد یعقوب چوہان کے چچازاد بھائی تھے۔ جانشین امیر شریعت حضرت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔

★ مجلس احرار اسلام سندھ کے امیر مفتی عطاالرحمٰن قریشی کے بڑے چچا غلام رسول قریشی 15/اکتوبر کو بستی تانوری (ڈیرہ غازی خان) میں انتقال کر گئے۔

★ مجلس احرار اسلام ڈسکہ کے بزرگ کارکن ماسٹر رحمت علی کے داماد سعودی عرب میں کرنٹ لگنے سے 22 ستمبر کو انتقال کر گئے۔

★ مجلس احرار لاہور کے کارکن چودھری ثاقب کے دادا 10 اکتوبر کو انتقال کر گئے

★ مدرسہ معمورہ ملتان کے پڑوسی حافظ عمار صاحب کی خوشدامن صاحبہ اور حاجی حقنواز مرحوم کی اہلیہ 12 اکتوبر کو انتقال کر گئیں

★ مجلس احرار اسلام جتوئی (بڑی بستی ارائیں) کے مخلص کارکن ڈاکٹر ریاض احمد کے ماموں حاجی عبدالرحیم 16 اکتوبر کو

انتقال کر گئے قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم نے اظہار تعزیت کیا۔

★ مدرسہ معمورہ ملتان کے استاد حافظ غلام یسین کے چچا 23 اکتوبر کو انتقال کر گئے۔

★ علی پور (مظفر گڑھ) میں مجلس احرار اسلام سے محبت رکھنے والے عبدالکریم بھٹی گزشتہ ماہ انتقال کر گئے

★ ہمارے پرانے کرم فرما جناب قاری سید محمد یحییٰ ہمدانی (قصور) کی اہلیہ اور شبان ختم نبوت قصور کے متحرک رہنما حافظ سید مطیع الرحمٰن ہمدانی کی والدہ ماجدہ 23 اکتوبر کو انتقال کر گئیں

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

دعاءِ صحت

★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

★ مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل جناب عبداللطیف خالد چیمہ

★ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے سرپرست اور رکن مرکزی مجلس شوریٰ صوفی نذیر احمد

★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب طویل عرصہ سے قومہ میں ہیں

★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب

★ مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محمد یعقوب خان خواجکزئی

★ ملتان میں ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب خان علیل ہیں

★ چیچہ وطنی، پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ کے پوتے، پیر جی عبدالجلیل مدظلہٗ کے فرزند خلیل الرحمٰن علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

اعلان

ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان، تیس برس سے (1988-2018) الحمدللہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور اپنے قارئین کو عقائد اہل سنت والجماعت، سیرت و تاریخ، حالات حاضرہ، تاریخ احرار پر علمی مضامین بالخصوص محاسبۂ قادیانیت، دہریت ولادینیت کے حوالے سے فکر انگیز تحاریر پیش کر رہا ہے۔ گزشتہ کئی برس سے مہنگائی کے باوجود ادارہ نے رسالے کی قیمت میں اضافہ نہیں کیا اور خود پر اس بوجھ کو برداشت کر رہا ہے لیکن اب کاغذ، طباعت اور ڈاک کے اخراجات میں روز افزوں اضافے سے ادارہ کو نقصان ہو رہا ہے جسکا ادارہ متحمل نہیں لہٰذا جنوری 2019ء سے ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کی قیمت فی شمارہ 30 روپے اور زر سالانہ 300 روپے ہوگا۔ امید ہے احباب وقارئین پہلے کی طرح تعاون جاری رکھیں گے۔

منجانب: سرکولیشن منیجر